سلسلہ اشاعت امامیہ مشن رجسٹرڈ لکھنؤ

ہدیہ امامیہ مشن لکھنؤ

(نمبر ۷۸)

46A

[illegible]

حصہ سوم

مطبوعہ

سرفراز قومی پریس لکھنؤ

قیمت ۷ر

تاریخ اسلام

حصہ سوم

مصنفہ

حضرت سید العلما مولانا السید علی نقی النقوی دام ظلہ

(مطبوعہ)

سرفراز قومی پریس لکھنؤ

فہرست رسائل امامیہ مشن رجسٹرڈ لکھنؤ

نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	خرچ ڈاک	نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	خرچ ڈاک
۱	قاتلان حسینؑ کا مذہب	۰۴ر	۱ر	۲۲	جنگ صفین	۳ر	÷ر
۲	تحریف قرآن کی حقیقت	ختم		۲۳	تذکرۂ حفاظ شیعہ حصہ اول	۰۶ر	۱۰ر
۳	مولود کعبہ	〃		۲۴	〃 〃 حصہ دوم	۰۵ر	۱ر
۴	وجود حجت	۰۴ر	۱ر	۲۵	مقصود کعبہ	۱ر	÷ر
۵	اصول دین اور قرآن	۰۴ر	۱ر	۲۶	مذہب باب و بہار حصہ دوم	۹ر	۱۰ر
۶	اتحاد الفریقین حصہ اول	۰۴ر	۱ر	۲۷	مذہب اور سائنس	ختم	
۷	حسین اور اسلام اردو	۱۰ر	÷ر	۲۸	معرکۂ کربلا	〃	
۸	〃 〃 ہندی	۱۰ر	÷ر	۲۹	کربلا کا مہا یودھ	〃	
۹	〃 〃 انگریزی	ختم		۳۰	دی ٹریجڈی آف کربلا انگریزی	〃	
۱۰	متعہ اور اسلام	۹ر	۲ر	۳۱	اسلام کی حکیمانہ زندگی	۹ر	۱۰ر
۱۱	امامت ائمہ اثنا عشر اور قرآن	۰ر	شر	۳۲	دور استبداد	۰۴ر	۱ر
۱۲	تجارت اور اسلام	ختم		۳۳	حقیقت بداء	۲ر	÷ر
۱۳	اتحاد الفریقین (حصہ دوم)	〃		۳۴	خطیب آل محمدؐ	۰۴ر	۱ر
۱۴	علیؑ اور کعبہ	〃		۳۵	تدوین حدیث	۱ر	÷ر
۱۵	رجال بخاری (حصہ اول)	۰۶ر	۱ر	۳۶	مطلوب کعبہ	۱ر	÷ر
۱۶	مذہب باب و بہاء 〃	۰۵ر	۱ر	۳۷	محاربۂ کربلا	۲ر	÷ر
۱۷	نوروز اور غدیر	۱ر	÷ر	۳۸	اسلام کا پیغام اردو	۰ر	÷ر
۱۸	مجاہدۂ کربلا	۲ر	÷ر	۳۹	دی میسج آف اسلام انگریزی	۰ر	÷ر
۱۹	کربلا کا اتم بلیدان (ہندی)	ختم		۴۰	اثبات عزاداری	۰۴ر	۱ر
۲۰	دی مارٹیرڈم آف حسینؑ انگریزی	۲ر	شر	۴۱	مسئلہ فدک	۰۵ر	۱ر
۲۱	اسوۂ حسینی	۰۷ر	۱۰ر	۴۲	تاجدار کعبہ	۱ر	÷ر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ علی سید الانبیاء والمرسلین و اٰلہ الطاہرین ۔

(سب سے پہلی عبادت)

سب سے پہلی عبادت جو نیت کے ساتھ ادا ہوگی وہ طہارت ہے ۔ عام حالات میں نماز کے لیے وضو کی ضرورت ہے ۔ وہ "نماز" کے لحاظ سے تو واجب ہی اور اسی لیے "واجب غیری" یعنی دوسری شے کے اعتبار سے واجب کہا جاتا ہی لیکن بجائے خود وہ مستحب ہے اور اُس کو بڑی فضیلت حاصل ہی ۔

(وضو کے فوائد)

یوں تو احکام شرعیہ خصوصاً عبادات کے اصلی مقاصد و غرض کو انسانی عقل سمجھ نہیں سکتی اور اگر اصلی مقصد و غرض انحصار کے ساتھ معلوم ہو جائے تو پھر وہ "عبادت" رہے ہی نہ بلکہ اب انسان کو صرف حصول مقصد پر نظر رہے گی خواہ وہ کسی طرح بھی ہو، اور "قربتہ الی اللہ" اُس عمل کو بجا لانے کی ضرورت نہ محسوس ہوگی "عبادت" کا راز تو

امامیہ مشن کی اٹھترویں خدمت

7

"نظام زندگی" کے دو حصے اس کے پہلے شایع ہو چکے ہیں موجودہ حصہ اس سلسلہ کی تیسری کڑی ہے۔

اس میں "وضو کے فوائد" حقیقت نماز اور اجزائے نماز کے اسرار و مصالح پر حکیمانہ طرز سے تبصرہ کیا گیا ہے۔ نیز الفاظ نماز کی تشریح و تفسیر بھی درج کی گئی ہے۔

اس زمانہ میں جب کہ لوگ مذہب کو عقل کی روشنی میں سمجھنے کے طلبگار ہیں اس قسم کی تصنیف کی سخت ضرورت تھی۔

امید ہے کہ افراد قوم اس حصہ کی اشاعت میں بھی انہماک سے کام لیں گے تاکہ اس سلسلہ کے بقیہ حصص بھی جلد شایع کیے جا سکیں

خادم قوم

سید مصطفی احسن رضوی

آنریری سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ

ربیع الاول سنہ ۱۳۶۰ ہجری

ہوتا ہی یہ ہے کہ وہ جنگ و غارت کے سلسلہ میں صفائی اور پاکیزگی کا بالکل لحاظ نہ کرتے تھے بلکہ وہ میلے رہنے پر فخر کرتے تھے ملاحظہ ہو شنفری ازدی کا مقبول عام قصیدہ "لامیۃ العرب"، جس میں اس نے بخیال خود مکارم اخلاق کی مثال پیش کی ہے۔ اس میں وہ خود اپنی تعریف میں کہتا ہے۔

وضاف اذا ھبّت له الریح طیّرت — لبائد عن اعطافه ما ترجّل

بعید بمسّ الدھن والفلی عھدہ — له عبس عاف عن الغسل محول

(یعنی) "میرے سر کے بڑے بڑے بال اس طرح ہیں کہ ہوا کی تحریک سے ان کے گچھے چاروں طرف اُڑتے ہیں اور اُن میں کبھی کنگھی نہیں ہوتی۔ تیل کے پڑنے کو اور صفائی کو اُن کی ایک مدت گزر گیا ہے اور اُس میں خشک میل جمع ہے۔ جو ایک سال کا ہو گیا ہے۔"

اب اگر اُن کے سامنے صرف اس مقصد کو پیش کیا جاتا کہ دیکھو صاف رہا کرو اور میلے نہ رہو تو وہ اسے کوئی اہمیت نہ دیتے اس لیے کہ اُن کے مذاق طبع کے مطابق صفائی اور ستھرے پن کا کوئی مفہوم ہی نہ تھا۔

لہٰذا اُن کے واسطے بطور عبادت ایسے احکام قرار دیے گئے کہ جن سے صفائی کا مقصد تو ضمناً حاصل ہو جائے اور اصل پیش نظر یہ ہو کہ یہ خدا کا حکم ہے اور بغیر اس کے نماز ایسی اہم عبادت جو رکن اسلام ہے صحیح طریقہ پر انجام نہیں پا سکتی۔

اسی میں مضمر ہے کہ ہمیں کچھ نہیں معلوم کہ اس کا اصلی منشا کیا ہے مگر چونکہ ہمارے مالک کا حکم ہے اس لیے ہم اسے انجام دیتے ہیں۔

پھر بھی کچھ ضمنی فوائد احکام عبادت کے انسان کی سمجھ میں آ سکتے ہیں ان فوائد و مقاصد پر تبصرہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں بیشک انھیں اصل بنیاد حکم نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس لیے کہ ممکن ہے اُس میں ان فوائد کے علاوہ بھی دوسرے مقاصد پیش نگاہ ہوں جن کو ہم پورے طور پر نہیں سمجھ سکتے۔

اب ملاحظہ ہو کہ وضو میں ہوتا کیا ہے؟

چہرہ کا دھونا۔ دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک دُھونا۔ اسکے بعد سر اور پیروں کا مسح۔ اور اگر آداب و مستحبات کے ساتھ وضو ادا ہو تو اس سب کے پہلے تین مرتبہ ہاتھوں کا گٹوں تک دھونا اور تین مرتبہ کلی کرنا تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالنا۔

یہ ظاہر ہے کہ شریعت اسلام کو براہ راست جو شروع میں سابقہ پڑا تھا وہ عربوں کے ساتھ۔ پھر اس کے دائرہ کی وسعت میں بہت سے وہ اقوام داخل ہوتے ہیں جو عربوں ہی کی طرح جنگجو ہوں یا وحشت کی زندگی بسر کرتے ہوں۔

عربوں کے معیار نظر کا اندازہ جو اُن کے آثار قدیمہ یعنی اشعار سے

امام رضاؑ فرماتے ہیں:۔ انما امر بالوضوء وبدئ بہ لان یکون العبد طاھرا اذا قام بین یدی الجبار عند مناجاتہ ایاہ مطیعا لہ فیما امرہ نقیا من الادناس والنجاسۃ مع ما فیہ من ذھاب الکسل وطرد النعاس وتزکیۃ الفؤاد للقیام بین یدی الجبا

"وضو کا حکم اس لیے ہوا ہے اور اس کو شروع میں رکھا گیا ہے تاکہ بندہ پاک و پاکیزہ ہو اُس وقت جب وہ اپنے مالک کے سامنے مناجات کے لیے کھڑا ہو رہا ہے اور اُس کا اطاعت گزار ہو اُس حکم میں جو اُس کو دیا گیا ہے اور کثافتوں سے پاک و صاف ہو، اس کے علاوہ اس میں کاہلی کا دفعیہ اور نیند کا دُور کرنا اور دل کا پاکیزہ کرنا بھی ہے مالک کے سامنے کھڑے ہونے کی غرض سے"

وضو کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ وہ صورت نماز کی جو مصلحت ادا کی جائے اور جس میں حقیقتاً نماز کا مقصد پورا نہیں ہوگا اس کے بھی بلا وضو بجا لانے کی ممانعت کی گئی ہے۔

ملاحظہ ہو مسعدۃ بن صدقہ کی روایت۔ ایک شخص نے امام جعفر صادقؑ سے سوال کیا کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مخالفین کی جانب سے میرا گزر ہوتا ہے اس حالت میں کہ ان کی نماز جماعت منعقد ہے اور میں وضو کیے ہوئے نہیں ہوں اب اگر میں ان کے ساتھ نماز میں شریک نہ ہوں تو وہ

اب اگر مخصوص صورتیں پیدا ہوں تو نہانا انسان کے لیے لازمی قرار پاگیا اور یوں روزانہ ہر نماز کے لیے اُسے باوضو رہنا ضروری ہوا اس لیے کئی دفعہ اس کے ہاتھ مُنہ دُھل جائیں گے اور خصوصاً اگر آداب مستحبات کے ساتھ ہو تو کلیوں کے ذریعہ سے مونھ کے اندرونی حصّہ کی صفائی ہوگی۔ جبکہ اس کے ساتھ مسواک کی بھی بہت تاکید ہے اور اس درجہ اس کو اہمیت دی گئی ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا لولا ان اشقّ علیٰ امتی لامرتھم بالسواک۔ "اگر مجھے اپنی امّت پر بہت شاق گزرنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں مسواک کو واجب قرار دیتا۔"

یہ مسواک وضو کے وقت علیحدہ پھر ہر نماز کے موقع پر الگ غرض مختلف بہانے قرار دیے گئے ہیں جن سے انسان کے لیے صفائی و پاکیزگی کا مقصد حاصل ہو۔

وضو کا ایک بہت بڑا فائدہ اُس وقت ظاہر ہوتا ہے جب انسان پر نیند کا غلبہ ہو اور وہ نماز کے لیے کھڑا ہونا چاہے، اس موقع پر اگر یوں ہی وہ نماز پڑھنے لگتا تو نیند کی غفلت اُس پر بہت زیادہ ہوتی لیکن وضو کر لینے سے نیند ہلکی ہو جاتی ہے اور انسان کو عبادت کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے۔

حدیث میں وضو کے ان تمام فوائد پر تبصرہ موجود ہے۔

بتلادیا ہے کہ ہاتھوں کے دھونے میں کہنیوں کی طرف سے ابتدا ہونا چاہئے
اور یہی فطری طریقہ ہاتھوں کے دھونے کا ہے بھی۔ رہ گیا قرآن مجید میں
"الی المرفقین" اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ "الی" غسل
کی حد بتلاتا ہو یعنی دھونا کہنیوں تک ہونا چاہیے۔ اس صورت میں بے شک
ابتدا انگلیوں سے اور انتہا کہنیوں پر ہونا ثابت ہوگا۔ لیکن دوسری صورت
یہ ہے کہ "الی" مغسول کی حد بتلانے کے لیے ہے یعنی وہ مقدار جو دھلی
جائے گی کہنیوں تک ہے، چونکہ اس طرف انگلیاں آخر میں ہیں اور ان کے آگے
کچھ ہی نہیں اس لیے حد بیان کرنے کی ضرورت نہیں لیکن اس طرف
کہنیوں کے آگے بھی ہاتھ کی مقدار موجود تھی اس لیے حد انتہائی کے بیان
کی ضرورت ہوئی۔ اب اتنی مقدار کا غسل ہو کس طرح سے اُلٹا یا سیدھا
اس کو قرآن نے مجمل چھوڑ دیا ہے لیکن یہ یقینی ہے کہ طبعی حیثیت سے جو انسان کی
سمجھ میں آئے گا وہ سیدھا ہی دھونا ہے۔ اُلٹا دھونے کے حکم کے لیے
تصریح کی ضرورت ہے۔ بہر حال ہمارے ائمہ معصومین کے حکم کے مطابق
معینہ صورت یہی ہے کہ کہنیوں سے انگلیوں کے سرے تک دھویا جائے اگر اس کے
خلاف کیا جائے گا۔ تو وضو باطل ہوگا۔ پھر ارشاد ہوا ہے "اور مسح کرو
اپنے سروں میں،، اگر "امسحوا رؤسکم" ہوتا تو یہ معنی پیدا ہوتے کہ سر کل
کا مسح کرے، اس صورت میں پورے سر کا مسح ہونا چاہئے تھا لیکن چونکہ

چہ میگوئیاں کریں گے تو کیا یہ صورت صحیح ہے کہ میں اُن کے ساتھ نماز پڑھ لوں
پھر وہاں سے واپسی کے بعد وضو کر کے اپنی نماز پڑھوں۔

امام نے فرمایا سبحان اللہ افما یخاف ان یصلی من غیر وضوء ان تأخذہ الارض خسفا ”اللہ اکبر! جو شخص بغیر وضو نماز پڑھے اُس کو یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ زمین شق ہو! اور وہ اُس میں دھنس جائے؟!“

وضو کیلئے قرآنی ارشاد

قرآن مجید میں وضو کا حکم حسب ذیل الفاظ میں دیا گیا ہے:-

اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین۔

”جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونے لگو“ اس سے وضو کے لیے وجوب غیری کا حکم ثابت ہوتا ہے یعنی یہ کہ اس کا وجوب بذات خود نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے فرض و واجب یعنی نماز کی وجہ سے ہے اسی لیے اس کے حکم کا منشا ارادۂ نماز کو قرار دیا گیا ہے کہ جب نماز کا تہیا کرو ”تو دھوؤ اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں کی حد تک“ ان ہی الفاظ کی بنا پر یہ اہلسنت ہاتھوں کو اُلٹا دھوتے ہیں یعنی انگلیوں سے کہنیوں کی جانب پانی لے جاتے ہیں مگر ائمہ اہلبیت نے جو شریعت الٰہیہ کے حقیقی ترجمان ہیں یہ

کے سلسلہ قرّاءِ سبعہ میں سے بھی بعض کی قراءت ہے اور چونکہ یہ امر مسلّم ہے کہ ان تمام قرّاء کی قراءت متواتر ہے اس لیے اس قراءت کے تسلیم کرنے پر اہلسنت بھی مجبور ہیں اور شیعہ بھی اس قراءت کے قائل ہیں لہذا یہ متفق علیہ حیثیت رکھتی ہے لیکن ارجلکم لام کے فتحہ کے ساتھ شیعی نقطۂ نظر سے درست نہیں ہے۔ پھر یہ کہ ارجلکم کا عطف قریبی جملہ کو چھوڑ کر سابقہ جملہ کے مفعول پر قرار دینا اگر بالکل غلط نہ بھی ہو جب بھی خلاف فصاحت ضرور ہے۔ آپ نے دیکھا کہ اس کا ترجمہ بھی کیسا مضحکہ خیز ہوتا ہے اس لیے علامہ فخر الدین رازی نے تو کہا ہے کہ اگر یہ ارجلکم نصب کے ساتھ ہو جب بھی اس کا عطف رؤسکم ہی پر قرار دینا چاہیے اس لحاظ سے کہ برؤسکم میں اگرچہ حرف جر یعنی ب کی وجہ سے ظاہر میں کسرہ ہے مگر حقیقت میں وہ امسحوا کا مفعول ہے اس لیے محل اُس کا نصب کا ہے اور اس صورت میں نصب کے ساتھ اُس پر عطف درست ہے لہذا پیروں کا مسح ہی ضروری ہوگا غسل یعنی دھونا صحیح نہیں ہے۔

وضو کی متعلقہ دعائیں

(اور)

مقصد شرع کی ترجمانی

عبادتوں میں جو شریعت کا اصلی منشا ہے اور جس قسم کے تصورات کا پیدا

یہاں برؤسکم ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سر کو مسح کے لیے ظرفیت حاصل ہے مگر محل مسح پورا سر نہیں ہے۔ ائمہ معصومینؑ کا ارشاد ہے کہ مسح سر کے ایک خاص حصہ پر ہے اور وہ سر کے آگے کا حصہ ہے۔ اسی کے اندر مسح ہونا چاہیئے زرارہ نے امام محمد باقرؑ سے دریافت کیا کہ یہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ مسح سر کے بعض حصہ پر ہونا چاہیئے تو حضرت نے ارشاد فرمایا۔

عرفنا حین قال برؤسکم ان المسح ببعض الراس لمکان الباء

یعنی برؤسکم میں جو بے ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسح سر کے بعض حصہ پر ہے۔

اس کے بعد قرآن میں ہے "وارجلکم" اس کو قرآن میں عام طور پر فتحہ کے ساتھ اس طرح درج کیا گیا ہے وَامْسَحُوا بِرُؤُسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اس پر اس طریقہ کی بنیاد قائم ہے کہ پیروں کو وضو میں دھویا جائے اس طرح یہ سابقہ فاغسلوا سے متعلق ہو جاتا ہے۔

ان لوگوں کے مذاق پر قرآن کی آیت کا ترجمہ یوں ہوگا۔

"دھوؤ اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں کا اور پیروں کو۔ یعنی پیروں کو دھوؤ۔

اس کے برخلاف اہلبیت کا مذہب ہے کہ یہ رؤسکم پر عطف ہے اور امسحوا کے تحت میں ہے جس کی بنا پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پیروں کا مسح ضروری ہے۔ اس کا فیصلہ تو یوں ہو جاتا ہے کہ ارجلکم کی قرأت خود اہل سنت

نہ ہوگا تلاوت کا جزو ہوگا لیکن اس کو جب ہم قنوت میں داخل کر کے اپنی طرف سے کہیں اھدنا الصراط المستقیم تو وہ دعا ہوگا جس کے معنیٰ ہیں کہ بارالٰہا ہم کو سیدھے رستے کی طرف ہدایت عطا فرما "

یوں ہی وہ ادعیہ جو کسی امام سے وارد ہوئے ہیں اگر اس اعتبار سے اُن کو پڑھا جائے کہ وہ اُس امام کا کلام ہے اور اُسے ہم صرف پڑھ رہے ہیں تو وہ ہماری زبان سے دعا ہرگز نہیں ہوں گے مثال کے طور پر صحیفۂ کاملہ کی کسی دعا کو آدمی یاد کرنے کی غرض سے بار بار دُہرا رہا ہو تو اس وقت جو یہ پڑھ رہا ہے اُسے اس شخص کی جانب سے دعا نہیں کہا جا سکتا ہاں اس یاد کرنے کے بعد جب خود اُس کو زبان پہ لائے اپنی دعا کے مقصد سے تو وہ دعا ہو گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ فرض کیجئے صحیفۂ سجادیہ نصاب درس میں داخل ہو۔ استاد بحیثیت کتاب درسی کے شاگردوں کے سامنے اُن دعاؤں کو پڑھتا ہے اُس کا ترجمہ کرتا ہے۔ مطلب بتاتا ہے۔ یہ پڑھنا اس کا ہرگز دعا نہیں ہے۔

یوں ہی مثلاً صحیفۂ سجادیہ زیرِ طبع ہو۔ کاپی۔ پروف کی مطابقت کے لیے مقابلہ ہوتا ہے۔ ایک شخص پڑھتا ہے دوسرا دیکھتا ہے۔ کیا یہ اس شخص کی جانب سے دعا ہے۔ ہرگز نہیں۔ دعا کا منشا یہ ہے کہ یہ شخص اُس دعا

کرنا منظور رہی اُس کی تبلیغ اکثر اُن دعاؤں کے ذریعہ سے کی گئی ہے جو اُس عبادت کے وقت ماثور ہیں کیونکہ دعا کسی الفاظ کا پڑھنا نہیں ہے جو امام سے وارد ہوئے ہیں۔

تلاوت۔ ذکر۔ دعا یہ تین لفظیں الگ الگ ہیں۔ تلاوت کے معنی ہیں دوسرے کے کلام کو پڑھنا۔ اسی اعتبار سے کہ وہ دوسرے کا کلام ہے۔ ذکر خود اپنی جانب سے خدا کے اوصاف کا ذکر کرنا اور اُس کی تعریف و توصیف کرنا۔ مثلاً الحمد للہ رب العالمین اس کو جب ہم اس اعتبار سے پڑھیں کہ یہ سورۂ حمد کا جزو ہے تو اس کا پڑھنا تلاوت ہوگا اور اگر ہم کہیں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر یہاں سبحان اللہ قرآن میں موجود ہے الحمد للہ بھی موجود ہے اور لا الہ الا اللہ بھی ہے اور اللہ اکبر بھی فرض کیجیے کہ ہو لیکن یہاں پر ان کا پڑھنا اس موقع پر چونکہ بحیثیت آیات قرآن نہیں ہے اس لیے وہ ذکر میں داخل ہوگا۔ تلاوت نہ ہوگا۔

دعا ان دونوں کے مقابل میں ہے اُس کے معنی ہیں خدا کی بارگاہ میں اپنے حاجات کو پیش کرنا۔ یہ دعا جب ہی ہوگی جب اس میں اس قسم کی خواہش شریک ہو۔

اھدنا الصراط المستقیم سورۂ حمد میں پڑھا جائے تو وہ دعا

اس کے معنی یہ ہیں کہ صرف الفاظ مقصود نہیں ہیں بلکہ معانی کا لحاظ ہے اور وہ معانی ایسے ہیں جن کا اُس حالت یا وقت پر تصور پیدا کرنا منظور ہے۔

بے شک وہ اشخاص جو معنی سمجھ نہیں سکتے، وہ تیمن و تبرک کی غرض سے ان الفاظ کو زبان پر لائیں یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ ہمارے امام نے تعلیم دی ہے اور اس میں ہماری جانب سے خدا کی بارگاہ میں کچھ عرائض ہیں، اتنا ہی تصور کریں تو اُسے بالکل بیکار نہیں کہا جا سکتا مگر دعاؤں کا حقیقی منشا تو جب ہی پورا ہوگا جب ان کے معانی کی طرف پورے طور پر توجہ ہو اور انسان متاثر ہو کر اپنے دل کی تڑپ اور حقیقی جذبہ کے ساتھ اُن دعاؤں کو زبان پر جاری کرے۔

وضو کے موقع پر اُس وقت جب انسان کے سامنے پانی آتا ہے اور وہ اُس کو چلو میں لیتا ہے اُس وقت دو چیزیں انسان کے سامنے پیش ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اس وقت ایک شرعی فریضہ کو ادا کر رہا ہے اور ایک کام انجام دینا چاہتا ہے۔ اُسے توجہ ہوتی ہے کہ جو کام میں کروں اُس کے تمام اسباب و ذرائع، اعضاء و جوارح اور ان کی طاقت، دماغ و دل اور اُن کے خصوصیات احساس و شعور جن سے ارادہ کا تعلق ہے یہ سب براہ راست خداوند عالم کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور اگر وہ ان قوی

کے مضامین کو اپنی طرف سے بطور سوال پیش کرے اور اُن مقاصد کے پورے ہونے کی خواہش کرے اس کا نام دعا ہوگا

یہ دعائیں جو مختلف اوقات و حالات میں وارد ہوئی ہیں ان کو صرف یہ سمجھنا کہ اُن کے الفاظ میں اثر ہے یعنی جیسے دواؤں میں خاصیت ہوتی ہے یا جس طرح منتروں کے الفاظ میں تاثیر ہوتی ہے، اُس طرح ان دعاؤں میں بھی ہے۔ یہ ہرگز درست نہیں ہے۔

ان دعاؤں سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس فعل و عمل کے بجا لانے کے وقت ایک شخص کے دماغ میں ان خیالات کو پیدا ہونا چاہیئے اور اُس کے دل میں ان جذبات کی فراوانی ہونی چاہیئے۔

اس لیئے اُن کے معانی اکثر اُن افعال یا اوقات سے مناسبت رکھتے ہیں جن کے لحاظ سے وہ دعائیں وارد ہوئی ہیں۔ اگر صرف الفاظ ہی سے بحث ہوتی تو اس کی ضرورت نہ تھی۔ یعنی کوئی عمل ہوتا ہاتھ سے متعلق اور دعا اُس موقع پر پیروں کے لیے ہوتی۔ عمل ہوتا پیروں کا اور دعا زبان کے لیے ہوتی یا صبح کے وقت دعا ہوتی جو رات کے متعلق ہے یا رات کو ایسی دعا جو دوپہر کا تذکرہ کرتی ہے، ایسا نہیں ہے بلکہ جہاں تک دیکھا جاتا ہے ہر دعا میں اُس چیز کی مناسبت موجود ہے جس کے لیے وہ دعا بتلائی گئی ہے۔

ایک طرف اُس کام کا احساس جسے وہ انجام دینا چاہتا ہے اور جس میں خدا کی مدد کی ضرورت ہے اور دوسری طرف اس نعمت کے تصور سے جو اس کے سامنے ہے یعنی پانی اور اُس میں جو فوائد و برکات موجود ہیں، کہتا ہے:۔ بِسْمِ اللّٰہِ وَ بِاللّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ الْمَاۤءَ طَھُوْرًا وَّلَمْ یَجْعَلْہُ نَجِسًا۔

خدا کی مدد سے اور خدا کے سہارے سے یعنی عبادت و اطاعت کی منزل میں قدم رکھتا ہوں صرف اُس کی اعانت و توفیق کے بھروسے پر پھر کہتا ہے کہ حمد ہے خدا کے لیے جس نے پانی کو طاہر و مطہر قرار دیا اور اس کو نجس نہیں قرار دیا۔

وضو میں مضمضہ یعنی کُلی کرنا مستحب ہے۔ کُلی میں ہوتا کیا ہے۔ پانی دہن کے اندر حرکت کرتا ہے۔ انسان کا ذہن منتقل ہوتا ہے کہ دہن سے میرے کیا چیزیں متعلق ہیں دہن سے جس چیز کا بہت نمایاں تعلق ہے وہ کلام ہے مگر دنیا میں انسان کتنا ہی قوت تقریر رکھنے والا ہو اور زبان آور کیا فائدہ ہے؟ اگر یہ زبان بارگاہ الٰہی میں جواب ہی سے قاصر ہے اور سوال کے موقع پر گنگ ہو جائے۔ قرآن مجید میں روز قیامت کے متعلق بتایا گیا ہے کہ لا یتکلم احد الا باذنہ "کوئی اُس دن بات نہ کر سکے گا

کو سلب کرے تو کوئی کام بھی عالم وجود میں نہیں آسکتا وہ دیکھتا ہے
کہ میری ذاتی طاقت مسالک طاعت وعمل پر گامزن ہونے کے لیے ناکافی
ہے جب تک کہ خدا میری مدد نہ کرے اُس طرح جس کو کہتے ہیں توفیق،
اُسی کی مدد سے انسان اطاعت وعبادت کے مراحل طے کرتا ہے اور اسی
لیے جتنا بھی عبادت میں انسان جوش وانہماک سے کام لے وہ خداوند عالم
کی بارگاہ میں اُس کو بڑی حیثیت سے پیش نہیں کرسکتا اور نہ وہ حق شکر
کو خداوند عالم کے ادا کرسکتا ہے، اس لیے کہ وہ تمام اسباب مقدمات
جن سے وہ اس عبادت کو بجا لاتا ہے اور وہ تمام افعال واعمال جنھیں بطور
شکر ادا کرتا ہے وہ خود بھی خداوند عالم کے احسان وکرم کے رہین منت ہیں
اور اس لیے خود اُن کے لیے اگر شکر ادا کیا جاسکتا ہے تو خداوند عالم کا،
دوسری چیز جو اُس کے پیش نظر ہے وہ خدا کی خلق کی ہوئی ایک نعمت
"پانی"، ہے وہ دیکھتا ہے کہ اس پانی کو نظام حیات انسانی میں کتنا دخل
ہے اور کتنے منافع اس سے وابستہ ہیں، خداوند عالم نے اس کو بہت
کثرت کے ساتھ پیدا کیا، اور پھر انسان کی رحمت رسانی کے لیے اُس کو
طاہر ومطہر قرار دیا۔ یہ اس کی وہ خصوصیت ہے جو شریعت اسلامی میں
کسی دوسری چیز کے لیے نہیں پائی جاتی۔ اس کی وجہ سے انسان کو بڑی
سہولت پیدا ہوتی ہے۔ انسان ان دونوں مخلوط کیفیتوں کے ساتھ

فرحت بخشتے ہیں لیکن روزِ قیامت اگر بوئے جنت سے یہ دماغ محروم کر دیا گیا تو یہاں کی تمام لذتیں خاک ہیں۔ چونکہ اکثر معاصی کی نسبت حدیثوں میں یہ تذکرہ ہے کہ جو اُن کا مرتکب ہو وہ بوئے جنت نہ سونگھ سکے گا۔ یہ انتہائے محرومی کی ایک طرح کی تعبیر ہے اس لیے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا جاتا ہے اَللّٰھُمَّ لَا تُحَرِّمْ عَلَیَّ رِیْحَ الْجَنَّۃِ وَاجْعَلْنِیْ مِمَّنْ یَشُمُّ رِیْحَھَا وَ رَوْحَھَا وَطِیْبَھَا۔

"بارِ الٰہا نہ حرام قرار دینا میرے اوپر جنت کی خوشبو کو اور قرار دینا مجھے اُن لوگوں میں سے جو بہرہ اندوز ہوں گے اُس کی خوشبو اور لُطف و لطافت سے"

پہلا جزو آخرت کے ساتھ متعلق ہے اور دوسرا جزو "مجھے اُس جماعت میں سے نہ قرار دینا جس کے ساتھ یہ سلوک ہو گا" یہ دنیا سے متعلق ہے یعنی افعال و اعمال کے لحاظ سے میں اُس جماعت کی فرد نہ ہوں جو بوئے جنت سے اپنی بداعمالیوں کے باعث محروم ہو گی۔

اس کے بعد چہرہ پر پانی ڈالے گا۔ یہ پہلا واجب جزو ہے وضو کا۔ اس وقت چہرہ کا غبار دور ہوتا ہے اور چہرہ صاف ہوتا ہے مگر اس وقت یاد آنا چاہیے کہ روزِ قیامت دو طرح کے لوگ ہوں گے کچھ وہ ہوں گے جن کے چہرے صاف اور نورانی ہیں وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَۃٌ ضَاحِکَۃٌ مُّسْتَبْشِرَۃٌ

مگر خدا کی اجازت سے" اور دوسرے موقع پر صاف کہا گیا ہے کہ لا یؤذن لھم فیعتذرون "نافرمان لوگوں کو کوئی اجازت نہ ہوگی کہ وہ معذرت پیش کرسکیں"

زبان اُس دن خاموش ہے اس لیے کہ حجت کوئی پاس نہیں ہے مگر اُس دن زبان کا کھُلا ہونا یہ حقیقتہً وابستہ ہے دنیا میں اس زبان کے صحیح طریقہ پر جاری رہنے کے ساتھ کیونکہ وہاں کی جزا و سزا یہاں کے اعمال کے بالکل مطابق ہے۔ یہ زبان دنیا میں ذکرالٰہی میں مصروف رہے۔ یادِ خدا سے غافل نہ ہو۔ سچی باتوں کے کہنے میں کوتاہی نہ کرے۔ پھر یہ ایک کامیاب زبان ہے اور انسان کے لیے کارآمد۔ اس لیے بندہ خدا سے ان دونوں باتوں کا سوال کرتا ہے۔ عرض کرتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ لَقِّنِی حُجَّتِی یَوْمَ اَلْقَاکَ وَاَطْلِقْ لِسَانِی بِذِکْرِکَ

"خداوندا مجھے حجت عطا فرما یعنی مجھے اپنے سامنے جواب دہی کی طاقت عطا فرما جس دن میں تیرے سامنے حاضر ہوں اور میری زبان کو جاری رکھ اپنے ذکر کے ساتھ"

پھر استنشاق یعنی ناک میں پانی ڈالنے کا حکم ہے۔ اس وقت قوت شامہ کے ادراک کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ یہاں دنیا میں ہزاروں طرح کے پھولوں کی خوشبو کا لطف میسّر ہے اور اعلیٰ درجہ کے عطریات قوت شامہ کو

میرے داہنے ہاتھ میں اور جنت کی دائمی زندگی حاصل کرنے کو میرے لیئے
آسان قرار دینا اور مجھ سے بہت کم حساب کرنا"

پھر بائیں ہاتھ دھونے کے وقت یہ دعا:-
اَللّٰهُمَّ لَا تُعْطِنِي كِتَابِي بِشِمَالِي وَلَا تَجْعَلْهَا مَغْلُولَةً اِلٰى عُنُقِي
وَاَعُوذُ بِكَ مِنْ مُقَطَّعَاتِ النِّيرَانِ -

"خداوندا نہ عطا کرنا نامۂ عمل کو میرے بائیں ہاتھ میں اور ان ہاتھوں
کو میری گردن کی طرف بندھا ہوا نہ قرار دینا اور میں تجھ سے پناہ مانگتا
ہوں آگ کی ہتھکڑیوں سے"

ہاتھوں کا گردن کی طرف بندھا ہونا کنایہ ہے بخل کو تاہی سے قرآن مجید
میں ارشاد کیا ہے وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً اِلٰى عُنُقِكَ -

پھر سر کا مسح کرے اس وقت یہ دعا پڑھے -اَللّٰهُمَّ غَشِّنِي رَحْمَتَكَ
وَبَرَكَاتِكَ وَعَفْوَكَ - "خداوندا مجھے اڑھا دے اپنی رحمت اور برکتیں اور معافی"

پھر پیروں کا مسح اس وقت یہ دعا پڑھے -
اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنِي عَلَى الصِّرَاطِ يَوْمَ تَزِلُّ فِيهِ الْاَقْدَامُ وَاجْعَلْ سَعْيِي
فِيمَا يُرْضِيكَ عَنِّي -

"خداوندا ثابت قدم رکھ مجھکو صراط پر اس دن جب قدم لڑکھڑاتے
ہوں گے اور میری جد و جہد کو قرار دے ان باتوں میں جو تجھکو مجھ سے

اور کچھ چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی ہوں گی۔ اور سیاہی دوڑی ہوئی ہو گی ووجوہ یومئذ علیہا غبرۃ ترھقھا قترۃ اولٓئک ھم الکفرۃ الفجرۃ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے اما الذین ابیضت وجوھھم ففی رحمۃ اللہ ھم فیہا خالدون "جن لوگوں کے چہرے سفید نورانی ہوں گے وہ خدا کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے"

اس تفریق کا لحاظ کرتے ہوئے چہرہ دھوتے وقت دعا کی جاتی ہے اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھِیْ یَوْمَ تَسْوَدُّ فِیْہِ الْوُجُوْہُ وَلَا تُسَوِّدْ وَجْھِیْ یَوْمَ تَبْیَضُّ فِیْہِ الْوُجُوْہُ۔

"خداوندا میرے چہرہ کو روشن رکھنا اُس دن جس میں بہت سے چہرے سیاہ ہوں گے اور میرے چہرہ کو سیاہ نہ بنانا اُس دن جب بہت سے چہرے روشن ہوں گے"، پھر داہنے ہاتھ کا غسل ہے۔ اس موقع پر چونکہ ترتیب لازم ہے اس لیے داہنے کی خصوصیت ضرور سامنے آئے گی۔ اور یہ تفریق پیش نظر ہو گی کہ روز قیامت بعض لوگوں کو داہنے ہاتھ میں نامۂ عمل دیا جائے گا۔ یہ اچھے اعمال والے لوگ ہوں گے۔ اور بعض کو بائیں ہاتھ میں، یہ بُرے اعمال کے لوگ ہوں گے۔ L2037

اس لیے یہ دعا کرے گا۔ اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِیَمِیْنِیْ وَالْخُلْدَ فِی الْجِنَانِ بِیَسَارِیْ وَحَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَسِیْرًا "خداوندا عطا کرنا مجھے نامۂ عمل

طریقۂ عبادت نماز ہے۔

اس میں روح کی بھی شرکت ہی اور جسم کی بھی۔ زبان سے بھی یاد ہی اور افعال و اعمال سے بھی۔ اقوال کی حیثیت میں حمد بھی اور تسبیح بھی، مناجات بھی ہے اور دعا بھی۔ افعال میں جتنے درجے اظہار خضوع اور تذلل کے ہوتے ہیں سب موجود ہیں۔ مؤدّب کھڑا ہونا اور پھر نصف قد سے جھکنا اور آخر میں پیشانی کا خاک پر رکھ دینا۔

ہرگز دنیا کے کسی مذہب میں سوائے اسلام کے اس طرح کا مکمل طریقۂ عبادت نہیں پایا جاتا۔

ایک زندہ مذہب کے لیے ایک اس طرح کا طریقہ ہونا ضروری ہے جو عبودیت خالق کا احساس پیدا کرتا رہے۔

یوں تو ہر شخص جن ماں باپ کے گھر میں پیدا ہوا ہی ان ہی کے مذہب کو اپنا مذہب کہتا ہی مگر یہ اسی حد تک ہی کہ جب کوئی پوچھے کہ تمھارا مذہب کیا ہی تو وہ بتلا دے کہ میرا یہ مذہب ہی۔ مگر اس کا تصوّر اور خیال قائم رہنا ضروری نہیں ہی۔

اور ظاہر ہی کہ عقیدہ کا اثر انسان پر اتنا ہی زیادہ پڑ سکتا ہی جتنا وہ زیادہ انسان کے پیش نظر رہے۔

رضامند رکھیں "

انسان جب اس دنیا میں فرائض و اعمال کے صراط کو صحیح طریقہ پر طے کرے گا تو اُس عالم میں صراط یعنی جنت کی گزرگاہ کو بہ آسانی طے کرلے گا۔ یہ انسان کے فرائض کی نزاکت ہی ہے جس کے لحاظ سے کہا گیا ہے کہ صراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ اُس پر ثابت قدم رہنا انسان کی جدوجہد اور خدا کی توفیق کے ساتھ وابستہ ہے

یہ تصورات وہ ہیں جو وضو کے وقت پیدا کیے گئے ہیں اور آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ ان سے انسان کی زندگی پر کتنا بہترین اثر پڑ سکتا ہے۔

(نماز)

یہ اسلام کا وہ اہم فریضہ ہے جسے عمود دین یعنی مذہب کا ستون کہا گیا ہے۔ اگر غور کیجیے تو تمام مذاہب عالم میں آپ کو عبادت کا ایک نہ ایک طریقہ ملے گا مگر ہر عبادت کا طریقہ کسی ایک خاص حیثیت کا حامل ہے کہیں مناجات و دعا ہے اور کہیں کچھ خاص طرح کے افعال و حرکات ہیں کہیں صرف سکوت اور سمت نجح کو عبادت قرار دیا گیا ہے مگر کوئی طریقۂ عبادت اتنا جامع ہمہ گیر اور مکمل نہیں جتنا اسلام کا

مترتب نہیں ہو سکتا۔

وہ رسول کی ذات ہے جو خالق و مخلوق کے درمیان رابطہ قائم کرتی ہے۔ رسول کے تعلیمات اپنے زمانہ کے لوگوں کیلئے تو بالمشافہہ حاصل ہوتے تھے۔ اگر آپ کی وفات کے بعد آپ کی یاد دلوں میں قائم نہ رہے تو آپ کے وجود کے برکات آخری نسلوں تک نہیں پہنچ سکتے ضرورت ہی کہ آپ کی بھی یاد قائم رہے تاکہ آپ کے تعلیمات اور آپ کی سیرت سے بعد کی نسلیں اُسی طرح فائدہ اُٹھائیں جس طرح آپ کے زمانہ کے لوگ خود آپ کی ذات سے فائدہ اُٹھاتے تھے۔

یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں جن میں اسلامی نقطۂ نظر سے کسی افتراق کی گنجائش نہیں ہی اور متفقہ حیثیت سے اسلام کے اصول اعتقادی ہیں اسلام کا اہم فریضہ نماز ان تینوں چیزوں کی یاد قائم رکھنے کا ذریعہ ہے۔ خالق کی یاد، روز آخرت کی یاد اور رسول کی یاد۔ سب اس کی بدولت مسلمانوں کے دلوں میں تازہ ہوتی رہتی ہیں۔

ہمارے نزدیک رسولؐ نے اپنے بعد کے لئے بھی کچھ ہستیاں چھوڑی تھیں جن کے افعال و اعمال تعلیمات الٰہی کے آئینہ بردار تھے اُن کی یاد قائم رکھنے میں رسالتمآبؐ نے بڑا اہتمام کیا تھا اور وہ اہلبیت رسولؐ تھے ہمارے نزدیک نماز میں ان کی یاد بھی قائم کی گئی ہے

مذہب کا اصل اصول اور بنیاد روحانیت خدا کا اعتقاد ہے انسان اپنے خدا کو یاد رکھے گا تو اُسے احساس پیدا ہوگا کہ مجھے کن صفات کا حامل ہونا چاہیئے کون کام کروں جن سے خدا خوشنود ہو اور کون کام ترک کروں تاکہ خدا ناراض نہ ہو۔ دوسری چیز آخرت کی یاد ہے اس کا بھی اثر انسان کے افعال و اعمال پر پڑتا ہے۔

وہ انسان اپنے فرائض کو نظر انداز کر دیتا ہے جو دنیا کی آرائش میں مبتلا ہو کر آخرت کا خیال دل میں نہیں لاتا مگر وہ بندگان خدا جن کے پیش نظر یہ ہے کہ ہم کو یہاں کے بعد ایک دوسرا عالم دیکھنا ہے جہاں اعمال کا حساب ہوگا اور اچھے اور بُرے کاموں کا بدلا دیا جائے گا۔ وہ کبھی اپنی ہوا و ہوس کی رو میں آگے نہیں بڑھتے۔

اعتقادی و خیالی حیثیت سے یہ دونوں عقیدے انسانوں کی اصلاح کے لیے کافی ہیں یعنی ان دونوں عقیدوں کے بعد ہر شخص کو یہ تصور پیدا ہو سکتا ہے کہ مجھے ایسے کام کرنا چاہییں جن سے خدا رضامند ہو اور آخرت میں مجھے سزا نہ ملے۔

مگر عملی حیثیت سے جب تک کوئی بتلانے والا نہ ہو کہ وہ کون راستے ہیں جن سے خدا رضامند ہوگا اور جن سے آخرت کی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے اُس وقت تک اُن دونوں عقیدوں کا فائدہ

کسی فارسی شاعر نے یہ مضمون کہا ہے کہ متواتر باراں کے قطرے جب پتھر پر گرتے ہیں تو اُس پر بھی نشان بن جاتا ہے۔ قطرۂ باراں کی ہستی کو دیکھئے اور پتھر کے ایسے سخت جسم کو مگر مسلسل و متواتر چوٹ سے وہ پتھر پر اپنا اثر پیدا کرتا ہے۔

پھر یہ پے درپے کی یاددہانی جو نماز کے ذیل میں ہوتی ہے کیا خالی جا سکتی ہے پتھر کا ایسا سخت دل بھی ہو تو ممکن ہے کبھی نہ کبھی ضرور متاثر ہو جائے نماز کے ان مقاصد کا اظہار ائمہ معصومین نے اپنے احادیث میں کیا ہے

محمد بن سنان کا مراسلہ ہے امام رضاؑ کی خدمت میں جس میں کچھ مسائل دریافت کیے ہیں اُسی میں نماز کی مصلحت کا بھی سوال ہے۔

حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا:۔

انّ علّۃ الصلوٰۃ انّہا اقرار بالربوبیۃ للّٰہ عزوجل وخلع الانداد وقیام بین یدی الجبّار جلّ جلالہ بالذّل والمسکنۃ والخضوع والاعتراف والطلب للاقالۃ من سالف الذنوب ووضع الوجہ علی الارض کل یوم اعظاما للّٰہ عزوجل وان یکون ذاکرا غیرناس ولا بطر ویکون خاشعا متذللا راغبا طالبا للزیادۃ فی الدین والدنیا مع ما فیہ من الایجاب والمداومۃ علی ذکر اللّٰہ عزوجل باللّیل والنّہار لئلّا ینسی العبد سیدہ و

وہ تشہد کے بعد دُرود کی منزل ہی جہاں ان کا تذکرہ ہوتا ہی
اور ہم نہیں بلکہ امام شافعی بھی اس کو جزو نماز سمجھتے ہیں اور بغیر ذکر اہلبیتؑ
کے نماز کو باطل قرار دیتے ہیں۔

اُن کا یہ شعر مشہور ہے۔

کفاکم من عظیم الفضل انکم　　من لم یصل علیکم لا صلوٰۃ لہ

آپ کے لیے اہلبیت رسولؐ یہ فضیلت بہت کافی ہی کہ جو آپؐ پر
دُرود نہ بھیجے اُس کی نماز قابل قبول نہیں۔

یاد رکھیے کہ رسولؐ یا اہلبیت رسولؐ کی یاد قائم رہنے سے خود اُن کا
کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اُنھیں تو اپنی ظاہری زندگی سے خود فائدہ کب پہونچا
بلکہ اُنھیں تو پتھر کھانا پڑے خس و خاشاک پھینکے جانے کی توہین برداشت
کرنا پڑی اور وہ اذیتیں اُٹھانا پڑیں کہ خود فرمایا ما اوذی نبی قط
کما اوذیت کسی نبی کو وہ تکلیفیں نہیں پہونچائی گئیں جو مجھکو پہونچائی گئیں
اُن کے اُن خدمات و تعلیمات سے جو زندگی بھر اُنھوں نے انجام دیئے
خلق خدا کو فائدہ پہونچا اور اُن کی یاد قائم رہنے سے بھی خلق خدا ہی کو
فائدہ پہونچ سکتا ہی۔

یہ اسلام کا حکم نماز ہی جو اُن کی یاد قائم رہنے کا باعث ہی اور ایک
مرتبہ نہیں بلکہ کم از کم دن میں پانچ مرتبہ۔ اسے کوئی معمولی بات نہ سمجھیے

اس میں نماز کو یاد الہی کا ذریعہ بتلایا گیا ہے جو تمام عقائد کا سرنامہ اور اصل بنیاد ہے۔

دوسری روایت ہشام بن الحکم کی ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے نماز کا سبب دریافت کیا۔ حالانکہ اس سے لوگوں کی ضرورتوں کا حرج ہوتا ہے اور جسمانی تکلیف بھی ہوتی ہے حضرت نے فرمایا فیہا علل نماز میں بہت سی مصلحتیں ہیں۔ اگر لوگوں کو بغیر تنبیہ اور رسول کی یاد کے چھوڑ دیا جاتا تو کیا ہوتا؟ کانوا علی ما کان علیہ الاولون فانھم قد کانوا اتخذ وا دینا ووضعوا کتبا ودعوا اناسا الی ماھم علیہ فقتلوھم علی ذلک فدرس امرھم وذھب حین ذھبوا۔

مسلمان بھی پہلی امتوں کی طرح ہو جاتے جنھوں نے ایک دین بنا لیا اور کتابیں ایجاد کرلیں اور لوگوں کو اپنے طریقہ کی طرف دعوت دی اور لوگوں نے اس کی پیروی کی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن سابق انبیا کی تعلیم مٹ گئی اور وہ خود اُن کی زندگی کے ساتھ رخصت ہوگئی۔ واراد اللہ ان لا ینسیھم امر محمدؐ ففرض علیھم الصلوٰۃ یذکرونہ کل یوم خمس مرات ینادون باسمہ وتعبدوا بالصلوٰۃ وذکر اللہ لکیلا یغفلوا عنہ فینسوہ فیندرس ذکرہ۔

و خدا نے یہ چاہا کہ مسلمانوں کو حضرت محمد مصطفےٰؐ کی تعلیم فراموش نہ ہونے پائے

مدبرہ وخالقہ فیبطر ویطغی ویکون نے ذکرہ لربہ وقیامہ بین یدیہ زجرالہ عن المعاصی ومانعالہ عن انواع المضار۔

"نماز کی مصلحت یہ ہے کہ اس میں خداوند عالم کی ربوبیت کا اقرار ہے اور غیر خدا سے علیحدگی کا اظہار ہے اور خدائے جبار کی بارگاہ میں فروتنی اور انکسار کے ساتھ کھڑا ہونا ہے اور اپنے گناہوں کا اعتراف اور گزشتہ گناہوں کی معافی کی درخواست ہے اور چہرہ کا رکھنا ہے زمین پر ہر روز خداوند عالم کی عظمت کے اظہار کے لیے"، یہ ہے پہلا شعبہ میرے بیان کا جس میں میں نے ثابت کیا تھا کہ عبودیت کے جتنے طریقے ہیں وہ کس طرح جامعیت و ہمہ گیری کے ساتھ نماز میں موجود ہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اس نماز کے ذریعہ سے انسان کو یاد قائم رہتی ہے اور وہ بھولنے نہیں پاتا اور نہ خود سر ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ اپنے خدا کے سامنے سر جھکائے رہتا ہے اور اس سے دین و دنیا میں زیادتی کا طلبگار رہتا ہے نماز کے ذریعہ سے رات دن ہر وقت بندہ کو خدا کا یاد کرنا ضروری ہو جاتا ہے تاکہ بندہ اپنے مالک اور مدبر اور خالق کو بھول نہ جائے اور سرکشی و خودسری میں مبتلا نہ ہو اور یہ کہ اپنے خدا کو یاد کرنے اور اس کی بارگاہ میں حضوری کے احساس سے وہ گناہوں سے باز رہے گا اور بہت سے نقصانات سے محفوظ رہے گا۔

اس کے لیے ایسے اوقات کا انتخاب کیا گیا ہی جس وقت دماغ کشمکش دنیا سے کسی قدر علیحدہ ہوتا ہی۔

ظاہر ہے کہ ایک ایسے موقع پر جب شور وغل برپا ہو، ہنگامہ ہو رہا ہو، آپ کسی سے کوئی بات کہیے تو وہ اُس کو مشکل سے یاد رہے گی لیکن ایسے وقت جب تنہائی ہو آپ ہوں اور وہ ہو اُس وقت کچھ کہیے تو وہ اُس کے ذہن نشین ہو جائے گا اور وہ اُسے زیادہ تر فراموش نہ کرے گا۔ اب دیکھیے ایک طرف صبح کی نماز کا وقت، یہ وہ موقع ہے کہ جب دنیا میں سناٹا ہی۔ اہل دنیا خواب غفلت میں ہیں اور پوری رات عیش و طرب میں گزارنے والے بھی اس وقت مائل خواب ہیں اس وقت خدا کا بندہ مصلّے پر اپنے خدا کو یاد کرتا ہی۔ دوسری طرف عشاء کی نماز تمام نمازوں کے اصولوں کے خلاف اس میں تعجیل کے بجائے تاخیر کو افضل قرار دیا گیا ہی۔ معلوم ہوتا ہے جتنا سونے کے وقت سے قریب ہو اتنا بہتر ہے مطلب یہ ہی کہ دنیا میں سکون چھا جائے، انسان خواب راحت کی طرف متوجہ ہونے کے پہلے خالق کو یاد کرلے۔

آجکل طبّی حیثیت سے بھی تحقیق کیا گیا ہی کہ سونے کے وقت یہ اور سو کے اُٹھ کر جس نقش کو دماغ میں قائم کیا جائے وہ بہت مستحکم ہوتا ہے صبح اور عشاء کے لیے یہی دو وقت منتخب کیے گیے ہیں۔ اب رہ گئی

اس لیے نماز کا فرض عائد کیا جس میں روزانہ پانچ مرتبہ یہ رسولؐ کو یاد کر لیتے ہیں اور ان کے نام کا بلند آواز سے اعلان کرتے ہیں اور ان پر نماز اور ذکر الٰہی کی پابندی اس لیے عائد کی گئی کہ وہ خدا کی طرف سے غافل نہ ہوں اور اُسے بھول نہ جائیں جس سے اُس کا ذکر محو ہو جائے"

اس حدیث میں صاف طور سے نماز کو تعلیمات رسول اور ذکر رسولؐ کے بقار کا بھی ذریعہ بتلایا گیا ہے۔

بے شک یہ تعجب ہے کہ اس قائم اور برقرار یاد دہانی کے ساتھ مسلمان خود نماز کے بارے میں تعلیم رسولؐ کو کیونکر بھول گئے جس کی وجہ سے یہ اختلاف پیدا ہو گیا کہ نماز کا طریقہ کیا تھا۔ رسولؐ ہاتھ سینہ پر رکھتے تھے یا زیر سینہ یا زیر شکم یا ہاتھ کھول کر پڑھتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا یہ منشا تھا کہ رسول کی یاد متفقہ طور پر قائم رکھی جائے مگر کچھ دراندار لوگ مسلمانوں میں ایسے آگئے تھے جو قصداً رسولؐ کی تعلیم کو مشکوک بنانا چاہتے تھے۔ لیکن جتنا بھی اُن لوگوں نے اس سلسلہ میں کوشش کی ہو پھر بھی وہ مسلمانوں سے اصل نماز کو نہیں مٹا سکے اور جب تک نماز دنیا میں قائم ہے رسولؐ کی یاد بھی اُس کے ساتھ قائم ہے۔

(اوقات)

نماز اصول دینیہ اور ارکان مذہب کی یاد قائم رکھنے کے لیے ہے

تو ایک ورزش کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور اُس سے انسان کے جسم کی تربیت ہوتی ہے۔

یوں ہی روحانی اور اخلاقی تربیت ہے۔ آپ ممکن ہے کہ ایک دفعہ کسی کی خاطر اپنی نیند کو اُچاٹ کر دیجیے۔ اس کا کوئی اثر نہ ہوگا بلکہ ممکن ہے آپ کے نفس پر اُس کا خراب اثر پڑے لیکن آپ برابر دوسرے کے لیے اپنی نیند کو خراب کرتے رہیں اور عذر نہ کریں تو آپ کے نفس میں ایثار اور خدمت خلق کا وہ ملکہ پیدا ہوگا جو ہر ایک انسان میں نہیں پایا جاتا۔

عبادت خدا تقویٰ اور پرہیزگاری اور مذہبی حیثیت سے ہر انسانی کمال کا رمز ہے نفسانی خواہشوں کا مقابلہ کرنا۔ اسی کو جہاد بالنفس کہا گیا ہے اور اسی کے لیے شاعر نے کہا ہے۔

بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

یہ نماز حقیقتہً ایک ورزش ہے نفسانی خواہش سے مقابلہ کرنے کی۔ وہ صُبح کا سُہانا وقت، وہ وقت جب نسیم سحری کے جھونکے تھپک تھپک کر سُلانا چاہتے ہیں۔ جب نرم بستر اور گرم تکیہ لیٹے رہنے کی دعوت دے رہا ہے جس وقت ہم رنگی جماعت سو رہنے کی ترغیب دے رہی ہے کیونکہ ارباب دنیا اور اہل نشاط سب مصروف خواب ہیں۔ یاد رکھیے

درمیان کی نمازیں اُس کے لیے بھی بعد زوال کا وقت مقرر کیا گیا ہی جس وقت دن کے حصّوں میں سب سے زیادہ سُکون ہوتا ہی۔ طلوع آفتاب کے بعد اور غروب کے پہلے صبح اور سہ پہر کے وقت دنیا کی چہل پہل اور رونق کے مابین دوپہر کا وقت ایک حد تک سناٹے کا ہی اس میں ظہر اور عصر کی نماز رکھی گئی۔

غروب آفتاب کا وقت، دن اور رات کی درمیانی منزل۔ اس میں فطرتًہ ایک خاص سکون ہوتا ہی جبکہ دریاؤں کی رفتار بھی ٹھہری ہوئی، ہوائیں بھی سُکون، طائروں میں بھی خاموشی ہوتی ہی اس وقت ایک نماز رکھدی گئی ہی۔ یہ اسی لیے ہی کہ خالق کی یاد انسان کے دل و دماغ کو متاثر بنا سکے اور اُس میں احساس عبودیت قوت کے ساتھ پیدا ہو۔

پھر یہ دیکھیے کہ جس طرح جسم انسانی کے لیے ورزشیں ہوتی ہیں۔ ورزش کو دیکھیے تو اُس میں کوئی ایک جزو خاص اثر اور فائدہ نہیں رکھتا مگر ایک ہی عمل کی تکرار جسم پر اثر ڈالتی ہی۔ معمولی سی چیز مشی یا چہل قدمی۔ ہر شخص جانتا ہی کہ صحت جسمانی کے لیے مفید ہی اور اس کا اثر جسم پر پڑتا ہی مگر اُس کا ہر جزو یعنی ایک ایک قدم وہ کچھ بھی نہیں ہی۔ ایک گام کوئی بھی وقعت نہیں رکھتا مگر یہی گام جب متصل ہو جاتے ہیں اور پے در پے پڑتے ہیں

دوکاندار دوکانوں ہی پر سہی کچھ دیر آرام کے لیے لیٹ جاتے ہیں۔ اب بے اختیار دل چاہتا ہے کہ کھانا کھایا ہے تو سو رہیں۔ آرام لیں۔ اس وقت ظہر کی نماز قرار دی گئی ہے۔ سونا ہے تو سو لینا بعد کو مگر اپنے خالق کی عبودیت کا احساس ہو تو ذرا بارگاہ میں حاضر ہو کر چار رکعت نماز پڑھتے جاؤ۔ یہ ظہر کی نماز ہے اس کے بعد قیلولہ کیجیے۔ نافلہ کے لحاظ سے فریضۂ عصر کا وقت ہٹا کر رکھا گیا ہے اور نافلہ کا وقت اتنا وسیع رکھا گیا ہے کہ اتنی دیر میں کچھ آرام بھی لیا جا سکتا ہے اور دل چاہے تو نافلہ بھی ادا کیا جا سکتا ہے پھر اب کام کا وقت آ رہا ہے بکری کا ہنگام ہے۔ جلدی ہے کہ جائیں اور سودا بیچنا شروع کریں۔ فرض کا احساس کہتا ہے کہ نہیں ابھی چار رکعت نماز عصر کی اور پڑھ لیں پھر جا کے اپنے کام میں لگیں۔ لیجیے اس کے بعد دن ختم ہوا اور رات آ رہی ہے۔ رونق بازار ابھی ابھی شباب پر تھی اور پھر رات کو چراغوں کی روشنی میں ابھی ابھی شباب پر آ جائیگی۔ ایک ذرا سا وقفہ جو چراغ جلنے کے وقت کا ہے اس وقفہ کو بیکار نہ جانے دو مغرب کی نماز پڑھ لو۔ اب دوکان بڑھا دی گئی ہے۔ دن بھر کا تھکا ماندہ انسان گھر آیا ہے۔ ممکن ہے کھانا بھی کھا چکا ہو۔ اب تو جماہیاں آ رہی ہیں اور دل چاہتا ہے کہ کوئی کام نہ کریں اور بس سو رہیں مگر قانون کہتا ہے کہ ابھی عشا کی نماز باقی ہے۔ چار رکعت

کہ جاگتے ہوؤں میں جاگنا مشکل نہیں، مگر سوتے ہوئے مجمع میں بیدار ہونا بہت دشوار ہے۔ اس وقت خدا کا بندہ بستر کو چھوڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اگر جاڑے کا زمانہ ہے تو ٹھنڈے پانی سے وضو کرتا ہے اور محراب میں آ کر اپنے خدا کی عبادت میں مصروف ہو جاتا ہے کیا یہ فرض شناسی کی کوئی معمولی مشق ہے اگر انسان اس میں پورے طور پر ثابت قدم رہے

نماز ختم ہوئی۔ اب انسان کو اپنے دنیوی کاموں میں لگ جانا چاہیے۔ دن بنایا گیا ہے کسب معاش کے لیے خود ارشاد کیا ہے کہ جعلنا اللیل والنھار لتسکنوا فیہ ولتبتغوا من فضلہ۔

ہم نے رات اور دن کو اس لیے قرار دیا ہے کہ اس میں سکون اور آرام اختیار کرو اور اس سے فائدہ حاصل کرو۔ مفسرین سے پوچھیے تو وہ بتلائیں گے کہ فائدہ حاصل کرنے سے مراد طلب معاش ہے۔

وہ لوگ جو نماز صبح کے لیے اٹھنے کے عادی نہیں اُن کا دن کا بہت حصہ بھی سونے کی نذر ہو کر بیکار چلا جاتا ہے مگر نماز صبح کی عادت دن کے کسی حصہ کو بے کار جانے نہیں دیتی۔ اب جائیے کسب معاش کیجیے اس میں کوئی حارج نہیں ہے یہاں تک کہ ابتدائی نافلہ کی نماز تک کے لیے اس وقت کو مکروہ قرار دے دیا گیا ہے۔ اب دوپہر تک کسب معاش کیا۔

دوپہر بھر کے کام کے بعد مزدور بھی تھوڑی دیر کی چھٹی لیتے ہیں۔

خاص توصیف نہیں ہے۔ قرآن مجید میں جو مقام مدح میں ارشاد ہوا ہے وہ یہ ہے کہ رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله۔
وہ لوگ کہ جن کو تجارت اور بیع ذکر خدا سے غافل نہیں کرتی امام نے بتلایا ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ تجارت اور خرید و فروخت کرتے نہیں۔ یہ غلط ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ تجارت اور خرید و فروخت کرتے ہیں اور پھر بھی نماز اور ذکر الٰہی سے غافل نہیں ہوتے۔
یہی ہیں خدا کی نگاہ میں قابل عزت اور انہی کی قرآن میں مدح ہوئی ہے

(نماز کا اعلان عام یعنی اذان)

جس طرح نماز خدا کے یاد دلانے کا ذریعہ ہے اسی طرح نماز کے یاد دلانے اور بے خبر لوگوں کے باخبر بنانے کے لیے اذان کا حکم ہوا ہے۔
حضرات اہلسنت نے اذان کی تشریع کے سلسلہ کو وحی الٰہی سے بالکل علیحدہ کر لیا ہے۔ اُن کے نزدیک وہ بعض صحابہ کے خواب دیکھنے پر مبنی ہے اس کی تشریح پورے طور پر رسالہ "تحقیق اذان" شایع کردہ امامیہ مشن میں درج کی گئی ہے۔
مگر شیعہ مذہب کے روایات کے مطابق عبادت کا کوئی جزو وحی الٰہی سے جدا نہیں ہو سکتا۔

نماز پڑھو جس طرح دل چاہے - پھر آرام کی نیند سوؤ- خدا کا بندہ کھڑا ہوتا ہے چار رکعت نماز پڑھتا ہے اور اس کے بعد بستر پر جاتا ہے- معلوم ہوتا ہے کہ جیسے دنیوی اشغال کی منزل پر یادِ الٰہی کے پہرے بٹھلا دیئے گئے ہیں- ہر مرتبہ کام شروع کرنے سے پہلے نماز- کام شروع کرنے کے بعد نماز- سو کے اُٹھ کر نماز- سوتے وقت نماز اور جو اپنے دنیوی اشغال کے ساتھ ان فرائض کے حق کو ادا کرتا رہے یقیناً ایک کامیاب بندہ ہے- اور اُسے خداوندی فرائض کے ادا کرنے میں نفس پر قابو حاصل ہو گیا ہے جس کے نتیجہ میں بہت سے معاصی کے ترک کرنے میں اُسے کامیابی ہو سکتی ہے-

یہ نتیجہ ہے نماز کا اور اسی لیئے ارشاد ہوا ہے ان الصّلوٰۃ تنھٰی عن الفحشآءِ والمنکر-

(ایک ضروری تشریح)

اوقات نماز کی افادی حیثیت کے تذکرہ میں میں نے کاروباری افراد کو سامنے رکھا ہے کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو مقصد حیات کو پورا کرتے ہیں اور حرکت و عمل کے برکات سے بہرہ مند ہوتے ہیں- اُن زندہ گور انسانوں کا ذکر نہیں ہے جنھوں نے اپنی زندگی کو سکون و تعطل کی بدولت موت کا مرادف بنا لیا ہے- یہ اگر نمازیں بھی پڑھیں تو اُن کی کوئی

اس واقعہ میں حضرت علیؑ کی تھوڑی سی شرکت نے لوگوں کو آمادہ کیا کہ وہ سرے سے وحی کا ہی انکار کردیں چاہے اس سے شان رسالت کو صدمہ پہونچ جائے۔

امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے انہ لعن قوما زعموا ان النبیؐ اخذ الاذان من عبد اللہ بن زید۔ آپ نے لعنت فرمائی اُس گروہ پر جس کا خیال ہے کہ رسولؐ نے اذان کو عبداللہ بن زید سے اخذ کیا۔ آپ فرماتے تھے۔

"ینزل الوحی علی نبیکم فتزعمون انہ اخذ الاذان من عبد اللہ بن زید"

"وحی تو تمہارے پیغمبرؐ پر نازل ہوتی تھی پھر بھی تم سمجھتے ہو کہ آپ نے اذان کو عبداللہ بن زید سے اخذ کیا"

دوسرے مذاہب میں بھی اوقات عبادت کے اعلان کے کچھ طریقے ہیں جیسے ناقوس یا باجا۔ سلاطین کے یہاں نوبت خانہ۔ نقارہ وغیرہ۔ آپ کے یہاں کارخانوں میں مزدوروں کو عمل کی دعوت دینے کے لیے بھونپو کی آواز بلند ہوتی ہے۔ مگر وہ سب اپنے مقاصد کے لحاظ سے باوجود صدا رکھنے کے خاموش ہیں یعنی جو شخص جانتا نہ ہو اُس کو وہ خود نہیں بتا سکتے کہ وہ کس چیز کے منادی ہیں۔ کس مقصد کے حامل ہیں

وہ ہرگز خواب و خیال پر مبنی نہیں ہوتا اور پھر خواب بھی اگر رسولؐ کا خواب ہوتا تو اُسے وحی کا ایک شعبہ قرار دیا جا سکتا تھا۔ ایک عام انسان کا خواب اور اُس پر رسول کی طرف سے عبادت کی تشکیل۔ یہ ناممکن ہے۔

ہمارے یہاں اس باب میں جو روایت ہے، وہ حسب ذیل ہے۔ اسی سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اکثر مسلمانوں کو اس باب میں وحی کے انکار کی کیا ضرورت پیش آئی ہے:۔

منصور بن حازم کی روایت ہے۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں

لما هبط جبرئیل بالاذان علی رسول اللہ کان راسہ فی حجر علیؑ فاذن جبرئیل واقام فلما انتبہ رسول اللہؐ قال یا علی سمعت قال نعم قال حفظت قال نعم قال ادع لی بلالا فعلّمہ فعلّمہ۔

جبرئیل اذان کو لے کر رسالتمآبؐ پر نازل ہوئے تو اُس وقت سر آپ کا حضرت علی بن ابی طالبؑ کی آغوش میں تھا جبرئیل نے اذان کہی اور اقامت کہی جب رسالتمآبؐ نے آنکھ کھولی تو پوچھا یا علیؑ تم نے سُنا؟ عرض کیا ہاں۔ فرمایا حفظ بھی کر لیا؟ عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا بلال کو بلا لاؤ اُنھیں تعلیم دے دیں چنانچہ بلال کو اذان و اقامت کی تعلیم فرمائی "

بڑی لالچ مقابل میں نہو۔ ایک خوف اُسی وقت متاثر کریگا جب اُس سے بڑا خوف نہو۔ ایک عظمت اُسی وقت مرعوب کرے گی جب اُس سے بڑی عظمت نگاہ کے سامنے نہو۔

اسلام نے چاہا ہے کہ تمام اُن جذبات کے مقابلہ میں جو انسان کو حقانیت کے خلاف عمل پر مجبور کرتے ہیں ایک ایسا احساس پیدا کیا جائے جو ان سب سے بالاتر ہو۔

لیکن اکبر کی لفظ کے بعد اگر کسی خاص شے کا تذکرہ ہو جاتا تو معنی محدود ہو جاتے کیونکہ وہ شے یا محل طمع ہوتی یا مورد خوف ہوتی یا مرکز عظمت سمجھی جاتی مگر جبکہ کسی چیز کا تذکرہ نہیں ہوا تو اُس میں ہمہ گیری پیدا ہوئی۔

اب مطلب یہ ہے کہ اگر تم دنیا میں کسی چیز سے توقع رکھتے ہو تو یاد رکھو کہ سب سے بڑی توقع خدا کی ذات سے ہے۔ اگر کسی کا خوف رکھتے ہو تو یقین سمجھو کہ سب سے بڑا خوف خدا سے ہو سکتا ہے اور اگر کسی کی ذاتی بڑائی سے متاثر ہو تو سب سے بڑی ذات خدا کی ہے۔ اس لیئے ہر وقت اُس کی رضا مندی کا خیال رکھو۔ اور دنیا میں کسی کا خیال نہ کرو اس سے انسان میں بے نیازی۔ آزاد منشی۔ خود اعتمادی اور خودداری پیدا ہو گی۔

اور کس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں مگر اسلامی نماز کا اعلان عام جو اذان کے ذریعہ سے ہوتا ہے وہ اپنے تمام مقاصد کا ترجمان ہے۔ اُس میں صرف آواز نہیں بلکہ الفاظ ہیں اور وہ اپنی جماعت کے تمام خصوصیات کے حامل ہیں۔

سب سے پہلا جزو ہے اللہ اکبر خدا کی ذات سب سے بڑی ہے اس میں اللہ کی بے انتہا عظمت کا اظہار ہے۔

کبیر کے معنی بڑا اور اکبر کے معنی کسی دوسری چیز سے زیادہ بڑا، اس میں ایک غیر کا تصور مضمر ضرور ہے مگر اللہ اکبر کے الفاظ میں اُس غیر کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس سے اس کے معنی میں وسعت و عمومیت پیدا ہو گئی ہے۔

غور کیجیے تو انسان بہت سی باتیں اپنے ضمیر اور حقانیت کے خلاف کر گزرتا ہے دوسری طاقتوں سے متاثر ہو کر اور وہ اسباب جن سے ایک شخص دوسرے شخص کی طرف یا اُس کے سامنے جھکتا ہے۔ تین ہیں۔ ایک لالچ دوسرے خوف۔ تیسرے اُس کی بزرگی کا احساس۔

لالچ کی وجہ سے دوسرے کی طرف جُھکتا ہے۔ خوف سے دوسرے کے سامنے جھکتا ہے۔ احساس بزرگی سے اُس کی طرف میلان بھی ہوتا ہے اور اُس کے سامنے سر بھی خم ہوتا ہے۔

مگر ایک لالچ اُسی وقت انسان کو متاثر بنائے گی جب اُس سے

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعد کے اجزاء کی آواز جتنے کانوں تک پہونچ سکتی ہے۔ اُس سے زیادہ کانوں تک اللہ اکبر کی آواز پہونچائی جا سکتی ہے

اذان اور اقامت کے موقع کے علاوہ بھی صدر اول میں اُس کی عظمت کا احساس رکھنے والے اُس کا موقع بہ موقع استعمال کرتے تھے اور اُس میں وہ ہیبت ہوتی تھی کہ اہل باطل لرزہ براندام ہو جائیں

امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؑ کا قاعدہ تھا کہ جہاد میں جب کسی کو قتل کرتے تھے تو تکبیر کہتے تھے چنانچہ لیلۃ الہریر میں آپ کی تکبیروں کے شمار ہی سے آپ کے مقتولین کی تعداد کا اندازہ کیا گیا۔

مگر یاد رکھیے کہ ہر شے کا غلط استعمال اُس کی عظمت و اہمیت کو ختم کر دیتا ہے مسلمانوں نے ایسے ایسے غلط موقعوں پر اس نعرہ کو زبان پر جاری کیا کہ اب اُس میں کوئی وقعت باقی نہیں رہی انتہا ہے کہ کہا جاتا ہے روز عاشورا فرزند رسولؐ کے قتل پر بھی تکبیریں کہی جا رہی تھیں۔ ایک عرب شاعر نے کہا ہے۔

ویکبرون بان قتلت وانھم   قتلوا بك التکبیر والتھلیلا

(اے حسین) یہ لوگ آپ کے قتل پر تکبیریں کہہ رہے ہیں حالانکہ انھوں نے آپ کے ساتھ خود تکبیر و تہلیل کو قتل کر دیا۔

آج بھی مسلمانوں کی زبانوں پر اللہ اکبر کے نعرے سنائی دیتے ہیں

وہ دنیا میں کسی غلط جذبہ سے متاثر نہ ہوگا اور ہمیشہ حق گوئی اور حق پرستی کو اپنا شعار رکھے گا۔

آپ دیکھئے تو نماز اور اُس کے متعلقات میں اس تکبیر پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہی وہ سرنامۂ اذان بھی ہی، سرنامۂ اقامت بھی اور سرنامۂ نماز بھی۔ نماز میں ہر حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے کے موقع پر بھی تکبیر قرار دی گئی ہی اور بطور تعقیب نماز کے خاتمہ پر بھی تین مرتبہ تکبیر کا حکم دیا گیا ہے۔

خود اذان میں تعداد کے لحاظ سے تمام اجزاء پر اُسے فوقیت دی گئی دوسرے جزو اگر دو دو مرتبہ ہیں تو وہ چار مرتبہ شروع میں اور دو مرتبہ خاتمہ کے قریب۔ نہیں کہا جا سکتا کہ اُسے چار مرتبہ کس لحاظ سے قرار دیا گیا ہے۔ مگر ایک بلند منارہ پر کھڑے ہوکر اگر دور دور کے لوگوں تک آواز پہونچانا ہو اور ایک دفعہ اللہ اکبر مشرق کی طرف رُخ کر کے۔ ایک دفعہ مغرب کی طرف مُنھ کر کے۔ ایک دفعہ جنوب کی طرف متوجہ ہو کر۔ اور ایک دفعہ شمال کی طرف کہا جائے۔ تو ہر سمت کے انتہائی حدود امکان تک یہ آواز پہونچ جائے گی کیونکہ آواز کا قاعدہ ہی کہ جس طرف رُخ کر کے صدا دی جائے اُدھر زیادہ دُور تک جاتی ہی۔

مگر سوال اللہ کے ماسوا دوسروں کی نفی کا تھا۔ اسلام یہ کہتا تھا کہ جب خالق وہی ہے تو معبود بھی صرف اُسی کو مانو۔ وہ کہتے تھے نہیں معبود ہم دوسروں کو بھی مانیں گے۔

آپ اسے یوں کہہ سکتے ہیں کہ "تولّا" میں تفرقہ نہ تھا۔ جو کچھ اختلاف تھا وہ "تبرّا" یعنی بیزاری اور بے تعلقی میں۔ اسلام معبودانِ باطل سے بیزاری کا اظہار کرتا تھا۔ اور یہاں سے خلیج افتراق پیدا ہوتی تھی اسلام کے اس کلمہ میں کہ لا الہ الا اللہ اسی لیے نفی کو اثبات پر مقدم قرار دیا گیا ہے۔ زور ردنیا اُسی نفی کے جزو پر تھا اگر کہا جاتا اللہ حق ہے تو شاید سب اس کہنے کے لیے آمادہ ہوتے مگر اللہ کے سوا ہر ایک معبود کی نفی کا اعلان تھا جسے قبائل عرب اپنے عقیدے پر ضرب کاری سمجھتے تھے اور اسی پر وہ برافروختہ ہو کر رسولؐ سے برسر پیکار ہوئے اُنھوں نے رسالتمآبؐ کو لالچ بھی دلایا اور خوف بھی تکلیفیں بھی پہونچائیں اور خون بہانے پر بھی آمادہ ہو گئے مگر رسولؐ کی زبان اس کلمۂ حق سے خاموش نہیں ہوئی وہ صبر اور استقلال اور ثبات قدم کے ساتھ اسی کلمہ کی تبلیغ میں مصروف رہے۔ دنیا ایک طرف اور وہ پیغام ربانی کا منادی ایک طرف اعلان کرتا ہوا کہ قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا "کہو لا الہ الا اللہ تمھارا ہی بھلا ہو گا"۔

بعض ایسے موقعوں پر جب اُن کے حملوں کا رُخ مسلمانوں ہی کی طرف ہوتا ہے
جس پر اسلام ملامت کرتا ہے اور دین و مذہب فریادی ہوتا ہے۔
خیر اس کو جانے دیجیے مسلمانوں کے غلط طرزِ عمل کی ذمہ داری
اسلام پر تو نہیں ہے۔ اور اس سے ہرگز اللہ اکبر کی اس عظمت و اہمیت پر کوئی
اثر نہیں پڑتا جو واقعتاً اس کو حاصل ہے۔

چار مرتبہ اللہ اکبر کہنے کے بعد دوسرا جزو یہی اشہد ان لا الٰہ الا اللہ
یہ توحید کے اُس مسلک کا اعلان ہے جو اسلام کا حقیقی نصب العین ہے۔
یوں تثلیث کے حلقہ بگوش توحید فی التثلیث کے پردے میں وحدت کا
دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے اور آریہ دھرم کے لوگ بھی موحد ہونے کے
دعویدار ہیں مگر سچی توحید کا پتہ اسلام کے سوا کہیں نہیں ہے۔
جہاں تک اللہ کے وجود کا اقرار ہے مشرکین بھی اُس کے مقر تھے چنانچہ
وہ کہتے تھے ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ "ہم ان اصنام
کی پرستش اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ کی بارگاہ سے قریب کر دیں"
اور خالق آسمان و زمین بھی وہ اللہ کو سمجھتے تھے۔ ارشاد ہوا ہے۔
لئن سألتھم من خلق السمٰوات والارض لیقولن اللہ
"اگر ان سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یہ کہیں گے اللہ نے"

یعنی اسے کوئی معمولی چیز نہ سمجھو یہ بہترین عمل ہے۔

تمام کتب اسلام سے یہ امر ثابت ہے کہ یہ جزو رسولؐ کے زمانہ میں اذان میں داخل تھا اور کہا جاتا تھا۔ بعد میں سیاسی مصالح کے ماتحت اُس کو نکال دیا گیا۔ اُس وقت جب مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی جا رہی تھی تو خیال کیا گیا کہ یہ اگر بہترین عمل نماز کو سمجھ لیں گے تو جہاد کی طرف رغبت کم ہو جائے گی لہٰذا اس جزو کو حذف کر دیا مگر ہم تو رسولؐ کی تعلیم اور عمل کے پابند ہیں۔ اور اسی لیے اس جزو کو اذان میں ضروری سمجھتے ہیں۔

اس کے بعد پھر آخر میں دو مرتبہ اللہ اکبر ہے جس سے خدا کی بزرگی کا دوبارہ احساس پیدا کرایا جاتا ہے۔

خاتمہ پر دو مرتبہ لا الٰہ الا اللہ اس سے یہ مخصوص فائدہ حاصل ہوا ہے کہ اذان کی ابتدا بھی اسم اللہ سے ہوئی اور انتہا بھی اسم اللہ پر ہو گئی اگر اللہ اکبر آخری جزو ہوتا تو آخر میں ذات کے بجائے صفت آتی لیکن لا الٰہ الا اللہ پر اختتام نے اللہ سے ابتدا اور اللہ پر انتہا کر دی اور بتلا دیا کہ ھو الاول وھو الآخر منہ المبدأ والیہ المعاد۔

تو شہادت ولایت ضرور دو۔ اس عموم کے ماتحت اذان میں بھی شہادت ولایت کے کہنے کا حکم نکلتا ہے اور اس بنا پر اس کو مستحبی جزو اذان کا سمجھا جا سکتا ہے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ "تحقیق اذان"

اب اس کے بعد وہ جزو ہے جو حقیقتہً نماز کی دعوت دینے والا ہے اور وہ حی علی الصلوٰۃ ہے۔ اسکے معنی تو یہ ہوئے کہ نماز پر آمادہ ہو مگر جو لفظ اس کے لیے اختیار کی گئی ہے اُس میں حیات کا پہلو موجود ہے اب اس کو یوں بھی آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اپنے بےحس دل میں روح عمل پیدا کرو اپنی موت کو حیات سے تبدیل کرو بارگاہ الٰہی میں نماز کی حالت میں حاضری دو۔

حی علی الفلاح یہ نماز کا نتیجہ ہے مطلب یہ ہے کہ یہ نماز تمھارے لیے رستگاری کا باعث ہے۔ آؤ اُس عمل کی طرف جو خود تمھاری بھلائی اور رستگاری کا ذریعہ ہے۔

حی علی خیر العمل یہ اس عمل کے درجہ اور اہمیت کا تذکرہ ہے

تاخیر نہو۔ اس کے بعد اصل نماز شروع ہو جاتی ہے اور بس۔

(نماز کے شرائط)

نماز کے لیے کچھ اجزا ہیں اور کچھ شرائط۔

(پہلی شرط) طہارت ہے جس کا تذکرہ اس کے قبل ہو چکا ہے۔

(دوسری شرط) ہے وقت۔ نماز پنجگانہ کے لیے مخصوص اوقات مقرر کر دیے گئے ہیں۔ اس وقت سے پہلے وہ نماز نہیں بجا لائی جا سکتی اور وقت گزرنے کے بعد اس نماز کے ادا کرنے کا موقع باقی نہیں رہتا قضا تو ایک نیا فرض ہے جو بلا تعین وقت عائد ہوتا ہے۔ اس کا اصل نماز کے حکم سے جو وقت کے ساتھ وابستہ تھا کوئی تعلق نہیں ہے۔

ہر نماز کی ادا کے لیے یوں تو شرع کی جانب سے کافی وسیع وقت دیا گیا ہے۔ نماز صبح کے لیے صبح صادق سے طلوع آفتاب تک۔

ظہر و عصر کے لیے زوال سے غروب تک۔ مغرب و عشا کے لیے غروب سے نصف شب تک مگر تاکید ہے اس کی کہ ہر نماز کو وقت آنے کے ساتھ ہی پڑھ لے اس میں نخواہ مخواہ دیر کرنے کی بڑی مذمت کی گئی ہے اور قرآن مجید میں جہاں جہاں حافظوا علی الصلوات کی طرح کے الفاظ ہیں وہاں حفاظت سے مراد یہی لیا گیا ہے کہ نمازوں میں اول وقت کا خیال رکھنا چاہیے

(اقامت)

اقامت میں بھی تقریباً یہی اجزا ہیں صرف شروع میں اللہ اکبر یہاں دو مرتبہ اور آخر میں لا الہ الا اللہ ایک مرتبہ ہے۔ بے شک چونکہ اذان دور والوں کو نماز کا اعلان کرکے پاس بلانے کے لیے ہے اس لیے نماز کے متعلق وہاں صرف یہ فقرہ ہے حی علی الصلوٰۃ "نماز کے لیے آمادہ ہو"

آمادگی کے حدود مختلف ہیں اور کوئی دور رہتا ہے کوئی نزدیک اس لیے اذان میں ٹھہر ٹھہر کر کہنا اور ترتیل یعنی بڑھا بڑھا کر زمزمہ کے ساتھ الفاظ کا ادا کرنا بہتر ہے اور اس میں آواز کا بلند ہونا بھی افضل ہے مگر اقامت وہ نماز کا قریب ترین پیغام ہے جو اُن لوگوں کو جو پاس موجود ہیں۔ بلا انتظار نماز کے لیے کھڑے ہونے کی دعوت دیتا ہے اس لیے یہاں ایک جزو کا اضافہ ہے۔

حی علی الصلوٰۃ۔ حی علی الفلاح۔ حی علی خیر العمل دو دو مرتبہ کہنے کے بعد دو مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ۔

یعنی بس اب کوئی انتظار نہیں اب نماز قائم ہو ہی گئی ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ اس کے کہتے ہی سب صف باندھ کر کھڑے ہو جائیں اور پھر

کیف مواساتھم لاخوانھم فیھا۔

"ہمارے شیعوں کا تین باتوں میں امتحان لو۔ اوقات نماز کی پابندی کیسی کرتے ہیں اور اپنے رازوں کی حفاظت دشمنوں سے کس حد تک کرتے ہیں اور اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ کس قدر ہمدردی رکھتے ہیں"

افسوس ہے کہ آج یہ سب صفتیں دوسروں میں پائی جاتی ہیں اور ہمارے افراد ان صفتوں سے محروم ہیں۔

ایک روایت میں صرف پہلے امر کا تذکرہ ہے امتحنوا شیعتنا عند مواقیت الصلوٰۃ کیف محافظتھم علیھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں شیعوں کا یہ خاص طرۂ امتیاز تھا اور دوسرے لوگ اس میں کوتاہی سے کام لیتے تھے لیکن اس کے بعد ہماری دیکھا دیکھی دوسرے نے یہ صفت اختیار کرلی اور ہم تن آسانی اور عیش پسندی میں پڑکر اس جوہر سے عاری ہوگئے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اگر کوئی شخص نماز کے وقت کا سختی سے پابند ہے تو اس کے سب کام اوقات کی پابندی کے ساتھ انجام پائیں گے اُسے اپنے کاموں میں ترتیب و ضبط نظام کی عادت ہوگی اور اس طرح بہت سے کام وہ باقاعدہ کے ساتھ انجام دے سکے گا لیکن اگر نماز کے وقت کا پابند نہیں ہے تو پھر اپنے کسی کام میں بھی وہ اوقات کی پابندی

ایک حدیث میں جو جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے وارد ہوا ہے کہ من صلّی الصلوٰۃ لغیر وقتہا رفعت لہ سوداء مظلمۃ تقول ضیعتنی ضیّعک اللہ کما ضیعتنی جو نماز کو اس کے مقررہ وقت کے خلاف پڑھتا ہے تو وہ نماز بلند ہوتی ہے اس طرح کہ سیاہ اور تاریک ہوتی ہے اور وہ کہتی ہے کہ تو نے مجھے برباد کیا خدا تجھے اسی طرح برباد کرے جیسے تو نے مجھے برباد کر دیا ہے۔" انتہا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ فرماتے ہیں لا ینال شفاعتی غدا من اخر الصلوٰۃ المفروضۃ بعد وقتہا "میری شفاعت کا حقدار نہیں وہ جو نماز میں اس کا وقت آنے کے بعد تاخیر کرے۔"

امام جعفر صادقؑ کی روایت ہے کہ یہ الفاظ رسولؐ نے اس وقت ارشاد فرمائے جب مرض الموت میں مبتلا تھے غشی کا عالم تھا افاقہ جو ہوا تو یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

عبرت کا مقام ہے کہ آج سب سے زیادہ یہ کمزوری شیعہ فرقہ میں پیدا ہو گئی ہے۔ ہماری امتیازی خصوصیت یہ ہو گئی ہے کہ ہم نماز کے اوقات فضیلت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے حالانکہ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔

امتحنوا شیعتنا عند ثلث عند مواقیت الصلوٰۃ کیف محافظتہم علیہا وعند اسرارہم کیف حفظہم لہا عند عدونا والی موالیہم

اگرچہ سجدہ کا بیان اس کے بعد ہوگا مگر اعتراض و جواب کی نوعیت یکساں ہونے کی وجہ سے یہیں اسے بھی صاف کردوں گا۔ تاکہ پھر اس کے بعد مجھے اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہ ہو۔

دیکھنا یہ ہے کہ شرک کا معیار کیا ہے؟ شرک یہ ہے کہ کسی ایسی صفت یا ایسے عمل کو جو خدا کے ساتھ مخصوص ہے اُس کے غیر کی طرف منسوب و متعلق کر دیا جائے۔

پہلی صورت یعنی کسی صفت کو جو خدا سے مخصوص ہو غیر کے لیے ثابت کرنا شرک فی الاعتقاد ہے جیسے قدم ذاتی۔ وجوب خالق۔ رازق وغیرہ۔ اوصاف کو خدا کے سوا کسی اور کے لیے قائل ہونا۔ اور دوسری صورت یعنی کسی عمل کو جو خدا سے مخصوص ہو غیر کے لیے بجا لانا شرک فی العبادۃ ہے۔

اب دیکھیے کہ یہ چیزیں جن کو شرک کہا جا رہا ہے کیا خدا کے لیے ثابت ہو بھی سکتی ہیں۔ قبلہ کیا ہے؟ وہ چیز جو نماز پڑھتے وقت انسان کے سامنے ہو۔ ظاہر ہے کہ نماز کے وقت انسان کے سامنے کوئی مادی ہی چیز ہوگی خواہ دیوار ہو یا در ہو یا درخت ہو یا پہاڑ ہو کوئی جہت ضرور ہوگی خواہ وہ غرب ہو یا شرق ہو۔ جنوب ہو یا شمال۔ خداوند عالم جسم جسمانیات سے مبرا و منزہ ہے اور کسی جہت و سمت میں نہیں اس لیے بہر دکے سامنے وہ ہو ہی نہیں سکتا۔

نہیں کر سکتا نتیجہ اس کا ہو گا کاموں کی بے ترتیبی اور اوقات کی بربادی۔

قبلہ

یہ نماز کی تیسری شرط ہی۔ قبلہ کے معنی ہیں وہ شے جس کی طرف انسان رُخ کرے۔ اسلام نے نماز کے لیے اپنے افراد میں ہم رنگی و ہم آہنگی قائم کرنے کے لیے یہ حکم دیدیا ہی کہ نماز میں ایک خاص سمت کی طرف رُخ کرکے کھڑے ہوں اور وہ خانہ کعبہ کی جہت ہی۔ ہجرت کے بعد شروع شروع یہ حکم ہوا تھا کہ بیت المقدس کو قبلہ بنایا جائے مگر اسکے بعد قانون میں تبدیلی ہو گئی۔ اور ہمیشہ کے لیے کعبہ کو قبلہ مقرر کردیا گیا۔

غیر مسلمین اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام بُت پرستی کی مخالفت کا دعویدار ہے اور توحید کا واحد علمبردار کہا جاتا ہی مگر کعبہ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنے میں اُسی طرح شرک کی بو پائی جاتی ہی جس طرح بت کو سامنے رکھ کر عبادت کرنے کو شرک کہا جاتا ہی۔

بالکل اسی طرح کا اعتراض سجدہ کے باب میں غیر شیعہ مسلمانوں کی طرف سے شیعوں پر کیا جاتا ہی کہ یہ لوگ خاک شفا کی سجدہ گاہ سامنے رکھ کر نماز پڑھتے ہیں یہ ویسا ہی ہے جیسے بُت کو سامنے رکھ کر مشرکین عبادت بجا لاتے ہیں۔

سیقول السفهاء من الناس ما ولاهم عن قبلتهم التی کانوا علیہا قل للہ المشرق والمغرب یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

"بے عقل لوگ کہتے ہیں کہ یہ اُس قبلہ سے کہ جدھر نماز پڑھتے تھے کیوں روگرداں ہوئے۔ کہو کہ مشرق و مغرب دونوں خدا کے ہیں وہ جسے چاہتا ہے صحیح راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے"

مطلب یہ ہے کہ ہماری نگاہ میں نہ مشرق کو کوئی خصوصیت ہے نہ مغرب کو۔ ہم تو خدا کے حکم کے پابند ہیں۔ جدھر وہ مڑنے کو کہتا ہے ہم اُدھر مڑ جاتے ہیں۔ اس بنا پر نماز اگرچہ کعبہ کی طرف رخ کرکے پڑھی جاتی ہے مگر وہ ہرگز کعبہ کی عبادت نہیں ہے۔ عبادت وہ بس خدا ہی کی ہے جس کی اطاعت اور بندگی اس عمل میں مدنظر ہے۔

اصنام کو سامنے رکھنے والے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ انہیں خالق نے کوئی حکم دیا ہے کہ وہ ان بتوں کو اپنے سامنے رکھا کریں بلکہ وہ اپنی پوجا کو اُن ہی مورتیوں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اُن کو قابلِ عظمت سمجھتے ہیں جبکہ پیغمبروں کی زبانی اُن کو برابر اس کی ممانعت ہوتی رہی ہے مگر وہ اس حکم الٰہی کے مقابلہ میں اپنے دل سے برابر اصنام کی پرستش کرتے رہے اس لئے یہ پرستش خدا کی عبادت کے مقابل ٹھہری اور شرک قرار پائی۔

مطلب یہ ہے کہ خدا جسمانی حیثیت سے انسان کا قبلہ نہیں ہو سکتا اور یہ صفت اُس کے لیے ثابت ہی نہیں۔ قبلہ تو بہرحال غیر خدا ہی ہوگا۔

خواہ وہ معین چیز ہو یا غیر معین پھر کسی ایک معین چیز کو قبلہ بنانے سے شرک کیسے لازم آسکتا ہے۔ اسی طرح پیشانی کے نیچے سجدہ کی حالت میں بہرحال کوئی نہ کوئی جسم ہوگا وہ خاک ہو یا پتھر۔ لکڑی ہو یا کپڑا یا کوئی اور چیز۔ خدا تو کبھی معاذ اللہ انسان کی پیشانی کے نیچے ہو ہی نہیں سکتا پھر کسی معین چیز کو محل سجدہ قرار دے لینے کو شرک سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

حقیقتہً شرک تو یوں ہوگا کہ ہم عبادت کو خدا کے حکم اور اُس کی طاعت و بندگی کے لحاظ سے نہ بجا لائیں بلکہ کسی اور چیز کی عظمت سے متاثر ہو کر سر خم کر دیں۔ یہ شرک ہوگا۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ مسلمان جو کعبہ کو سجدہ کرتے ہیں وہ ہرگز کعبہ کی عظمت سے متاثر ہو کر اس کے سامنے سر بسجود نہیں ہوئے ہیں بلکہ صرف اس بنا پر کہ خدا کا حکم ہے وہ کعبہ کے سامنے رخ کر کے عبادت کرتے ہیں اور اسی لیے جب تک خدا کا حکم بیت المقدس کی طرف رُخ کرنے کا تھا، اُس وقت تک اُدھر متوجہ ہوتے تھے اور جب کعبہ کی طرف حکم ہو گیا تو ادھر مڑنے لگے۔ شاید تبدیل قبلہ میں ایک خاص مصلحت یہ بھی ہو اور آیت قرآن میں اس کا طرف اشارہ موجود

اب دیکھنا یہ ہے کہ آخر قبلہ کے لیے ایک خاص سمت کو مخصوص کردینے کی وجہ کیا ہے؟ میں بحث کی ابتدا میں اجمالاً اس کی طرف اشارہ کرچکا ہوں اور اب تفصیل کرتا ہوں کہ مختلف افراد میں اتحادِ عمل اور یکرنگی ذہنیت اور خیالات میں یگانگت اور اتحاد کا باعث ہوتی ہے۔

آج دنیا کے ممالک اس کی کوشش کر رہے ہیں کہ وہاں کے لوگوں میں اتحادِ شکل، اتحادِ زبان اور اتحادِ لباس پیدا ہو۔

یہ بڑی ناسمجھی کی بات ہے کہ اسلام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسلام کی کوئی زبان نہیں۔ اسلام کا کوئی لباس نہیں۔ اسلام کی کوئی معاشرت نہیں یاد رکھیے کہ اگر ممالک اپنی وحدت کو مستحکم کرنے کے لیے زبان اور لباس اور معاشرت کے اتحاد پر زور دیتے ہیں اور یہ عقلی حیثیت سے صحیح ہے تو اسلام بھی اگر اپنے ماننے والوں کو ان باتوں میں کسی ایک شکل، صورت اور ہئیت کا پابند بنائے تو کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے کیونکہ اسلام کا تو مقصد ہی یہ تھا کہ وہ ان تمام نسلی قومی جغرافیائی حدود و خطوط سے نکل کر ایک لامحدود قومیت کی تشکیل کرے جس میں وسعت و ہمہ گیری کی صلاحیت ہو اس متحدہ قومیت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لیے افعال و اعمال میں ہم رنگی و یکسانی کی ضرورت تھی اور اس کے لیے زندگی کے ہر شعبہ میں خواہ عبادات ہوں یا خواہ معاملات۔ اس طرح کی قانونی

پیشانی کے نیچے بھی جبکہ بہرحال کوئی نہ کوئی جسم ہوگا تو اگر ہمیں قانون کے رو سے کسی خاص چیز کا پابند بنا دیا گیا جو ہمارے نزدیک بواسطہ رسول خدا کے حکم سے متعلق ہے تو اس سے عبادت غیر خدا کی کب ہو جائے گی۔ عبادت تو وہ خدا کی ہوگی جس کے حکم سے ہم خاک یا درخت کے پتے یا لکڑی پر سجدہ کرنے کے پابند ہوئے ہیں۔ حکم الٰہی کے ماتحت بھی کسی غیر خدا سے عبادت کا کسی طرح کا تعلق اگر شرک ہوتا تو ابلیس لعین سب سے بڑا موحد ٹھہرتا کیونکہ اُس کا جرم یہی تھا کہ اُس نے غیر خدا کو جو سجدہ کا حکم ہوا تھا اُس کی اطاعت نہ کی۔ خدا کو وہ لاکھوں سجدے کر چکا تھا مگر آدم کے سامنے سر نہ جھکایا وہ معتوب و مردود ہوا۔ اس لیے کہ اب آدم کا سجدہ خدا کے حکم کے ماتحت عبادت خدا قرار پا گیا تھا۔ وہ سجدہ تو آدم کے لیے تھا مگر عبادت اُس خدا کی تھی جس کے حکم سے انجام پا رہا تھا۔ اب یہ سجدہ کرنا شرک نہیں تھا بلکہ سجدہ سے انکار کرنا کفر ہو گیا ابیٰ واستکبر وکان من الکافرین۔

پھر کیسے سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ جو خدا کے حکم کی بنا پر کسی چیز کی تعظیم کرتے ہیں یا اُس کے اوپر سجدہ کرنا لازم سمجھتے ہیں وہ خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کر رہے ہیں؟

ہیں اور کوئی ایک طاقت ہی جو سب پر حکمران ہی۔

(لباس)

نماز کے لیے لباس میں بھی کچھ شرائط ہیں۔ حریر محض نہو غیر ماکول اللحم حیوان کے اجزا پر مشتمل نہو۔ نیتہ نہو۔ دیکھنا یہ ہی کہ ان شرائط کا مقصد کیا ہی کیا خداوند عالم کی جانب سے عمدہ اور قیمتی لباس پہننے کی ممانعت ہی اور ہماری آرائش ناپسند ہی۔ اور کیا منظور یہ ہے کہ ہم صفائی اور خوشنمائی سے بالکل الگ ہیں۔

ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اپنی حیثیت کے مطابق اچھے سے اچھا کپڑا پہننا ہمارے لیے جائز ہے بلکہ نعمت خداوندی کے اظہار کے لیے ممدوح و مستحسن ہی انسان کو خدا نے دیا ہو اور پھر وہ پھٹے حالوں رہی اس طرح کہ لوگ اُسے مفلوک الحال اور پریشان سمجھیں۔ یہ خدا کی نگاہ میں ناپسند ہی اور کفران نعمت میں داخل ہی۔

امام جعفر صادق ع فرماتے ہیں ان اللہ عزوجل یحب الجمال والتجمل ویبغض البؤس والتباؤس۔

خداوند عالم خوش نمائی اور آرائش کو پسند کرتا ہی اور بدحالی اور پریشاں منظری کو ناپسند کرتا ہی۔

پابندیاں عائد کی گئیں جن کی وجہ سے مطلق العنانی اور طوائف الملوکی ختم ہو جاتی ہے۔ اور سب ایک رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ یہ بات بہت وسیع ہے۔ اور اسلام کے بہت سے احکام اس کلیہ پر منطبق ہوتے ہیں جن پر موقع بموقع روشنی ڈالی جائے گی۔

قبلہ کے لیے ایک خاص سمت کی پابندی اس اجتماعی مقصد کا بہت بڑا رکن ہے۔ دیکھیے تو کہ اگر قبلہ مخصوص نہ ہوتا تو ایک وقت میں چند آدمی نماز پڑھنے والے کوئی کسی طرف رُخ کئے ہوتا اور کوئی کسی طرف۔ کیا اس میں وہ اجتماعی شان پیدا ہو سکتی ہے۔ جو نماز جماعت کے ہزاروں افراد کی بوقت واحد ہم آہنگی سے پیدا ہوتی ہے۔ صف جماعت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے دل پر نماز جماعت کی شان وعظمت کا اتنا اثر نہیں پڑتا جتنا دور سے کسی بلندی پر کھڑے ہو کر کسی کثیر التعداد مجمع کی نماز باجماعت کو دیکھکر دل پر ایک اثر پڑتا ہے۔

قبلہ کے لیے کسی جہت کی تعیین نہ ہونے سے یہ مقصد کبھی پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ اب تو اگر بہت آدمی ایک وقت میں فرادیٰ بھی نماز پڑھیں، اُن میں امام اور ماموم والا نظام نہ ہو تب بھی سمت قبلہ کا اتحاد اُن میں اجتماعیت کا ضامن ہے۔ اُن کا ایک ہی رُخ کی طرف محو عبادت ہونا ہی اس امر کا مظہر ہے کہ وہ کسی ایک قانون کے ماتحت عبادت انجام دے رہے

بن ابی نصر کی روایت ہے کہ امام رضاؑ نے ان سے دریافت کیا ما تقول فی اللباس الحسن "اچھے لباس کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے"

یہ ایک انداز ہی تعلیم دینے کا۔ انھوں نے کہا بلغنی ان الحسن کان یلبس وانّ جعفر بن محمد کان یأخذ الثوب الجدید فیأمر به فیغمس فی الماء۔

"میں کیا اپنا خیال ظاہر کروں مگر میں نے سُنا ہے کہ امام حسنؑ اچھا لباس پہنتے تھے اور امام جعفرؑ ہر وقت نیا کپڑا لیتے تھے اور اُسے پانی میں دُھلوا کر صاف کراتے تھے"

امام نے فرمایا البس وتجمل فان علی بن الحسینؑ کان یلبس الجبّة الخز بخمسمائة درھم والمطرف الخز بخمسین دینارا فیشتو فیه فاذا خرج الشتاء باعه فتصدق بثمنه۔

"ہاں شوق سے اچھے کپڑے پہنو اور زینت کرو۔ امام زین العابدینؑ پانچ سو درہم کی قیمت کا خز کا جبہ پہنتے تھے اور چادر خز کی اوڑھتے تھے پچاس دینار کی قیمت کی۔ جاڑا اس میں بسر کرتے تھے اور جب سردی کا زمانہ گزر جاتا تھا تو اسے فروخت کر کے اُس کی قیمت کو راہ خدا میں دیتے تھے پھر حضرت نے اس آیت کی تلاوت فرمائی قل من حرّم زینة الله التی اخرج لعبادہ والطیّبات من الرزق۔

دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا ہے :- اذا انعم اللہ علی عبد بنعمة احب ان یراھا علیہ۔

جب خدا اپنے بندہ کو نعمت عطا کی ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس نعمت کا اثر اس بندہ پر نمایاں ہو۔

رسالتمآب نے ایک شخص کو دیکھا جو پریشان میلے کپڑے پہنے ہوئے بہت برے حال میں تھا، حضرت نے فرمایا من الدین المتعة "دین میں داخل ہے خدا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا۔ دوسری حدیث میں حضرت نے فرمایا بئس العبد القاذورة - "برا ہے وہ خدا کا بندہ جو میلا رہے"

لباس اگر حیثیت کے مطابق قیمتی پہنا جائے تو اسراف کا کوئی سوال نہیں ہے۔ امام جعفر صادق ع فرماتے ہیں۔

ثلثة اشیاء لا یحاسب اللہ علیھا المؤمن طعام یاکلہ وثوب یلبسہ وزوجة صالحة تعاونہ ویحصن بھا فرجہ

"تین باتوں میں خدا بندہ سے حساب کرے گا۔ کھانا اور کپڑا و نیک بیوی"

بے شک ائمہ معصومین ع کے زمانہ میں عام خیال تھا کہ پھٹے پرانے کپڑے پہننا زہد و تقویٰ کی نشانی ہے اور اچھے کپڑے پہننا ورع و تقویٰ کے خلاف ہے۔ ائمہ معصومین ع نے اس غلط فہمی کو دور کیا ہے۔ چنانچہ احمد بن محمد

خدا کی طرف سے اگر یہ پردہ ہٹا دیا جائے تو وہ باطن کی حقیقی کیفیت
آنکھوں کے سامنے آجائے اُس وقت معلوم ہو کہ یہ انسان تھا یا کوئی اور
رحمۃ للعالمین کی اُمّت اپنے ظاہری انتساب کی برکت سے اس
عذاب سے مستثنیٰ کردی گئی ہے۔ یہاں دنیا میں پردہ دری نہیں کی جاتی
ادعائے اسلام کا حجاب پردہ داری کا کام کرتا ہے مگر آخرت میں جبکہ
حقیقتیں بے نقاب ہونگی۔ جس وقت کے لیے کہا گیا ہے کشفنا عنک
غطاءک فبصرک الیوم حدید۔ اُس دن بھی انسانیت قائم
رہے حشر بھی انسان کا انسان کی صورت پر ہو تو کامیابی کی نشانی ہے
انسان کو کوشش کرنا چاہیے کہ ایسے کام کرے کہ اسکی انسانیت قائم رہے
انسان کے پردہ میں وہ ایک حیوان نہ بن جائے۔ یہ احساس ہے جو ممنوعات
کی فہرست سے انسان کو پیدا ہوتا ہے۔

(۳) خالص ریشم اس کا پہننا مردوں کے لیے ممنوع قرار دیا گیا ہے
اور نماز بھی اُن کی اس لباس میں باطل ہے۔ عورتوں کے لیے اجازت ہے
اور نماز بھی اُن کی جائز ہے۔

(۴) طلائے خالص کی زینت۔ یہ بھی مردوں کے لیے ممنوع ہے
عورتوں کو عام اجازت ہے۔

شرع کو یہ منظور نہیں ہے کہ مردوں میں نسائیت پیدا ہوجائے

(۲) غیر ماکول اللحم یعنی وہ جانور جس کا گوشت شرعاً حلال نہیں ہی اس کے تمام اجزا یہاں تک کہ رونگٹے اور بال جن میں زندگی سرایت نہیں کرتی وہ بھی ممنوع ہیں۔

ہم پورے طور پر ان حیوانات کے خصائص ذاتی پر مطلع نہیں اس لیے اس حکم کے مصالح کا اندازہ نہیں کر سکتے مگر ان میں سے ایک قسم یعنی مسوخات کو جو حرام قرار دیا گیا ہی اُس سے بہت حد تک اُن معاصی اور بد اعمالیوں سے نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہی جو ان حیوانات کی صورت میں مسخ کا باعث ہوئیں مسوخات میں سے ہونے کا یہ مطلب نہیں ہی جیسا کہ بعض عوام خیال کرتے ہیں کہ یہ جانور اصل میں انسان تھے اور وہ اس صورت میں منتقل کر دیئے گئے۔ ایسا نہیں ہی۔ یہ جانور تو پہلے سے نوعی حیثیت سے موجود تھے مگر بعض امتوں کی بد اعمالیوں سے اُن کو ان جانوروں کی شکل پر مسخ کیا گیا گویا ان جانوروں کی صورتیں مظاہرۂ عذاب کی ایک نشانی بن گئیں۔

ان کے مسوخات میں قرار پا کر حرام ہو جانے سے اُس عذاب کی یاد تازہ ہوتی رہتی ہی اور بد اعمالیوں کے نتائج بد کا اندازہ ہوتا ہی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ یہ مسخ صورت کردار کی باطنی شکل کا ایک افشائے راز ہی۔ انسان کی ظاہری صورت ایک مجازی پردہ ہی جس میں کبھی انسانیت کا جلوہ ہوتا ہی اور کبھی حیوانیت پرورش پاتی ہی۔

(مکان)

اس کی ضرورت تو عقلی حیثیت سے ہی چونکہ انسان جسم رکھتا ہے اس لیے بہر حال ایک فضا کی ضرورت ہی جس میں وہ رہے وہ اُس کا مکان ہوگا۔ یہ ہر حالت میں ضروری ہی نماز بھی اُس سے مستثنیٰ نہیں ہے اس باب میں شرع نے کوئی لازمی پابندی نہیں عائد کی ہی بے شک بعض مقامات مکروہ ہیں بعض مستحب اور بعض مساوی الدرجہ۔ مگر ایک بات ایسی ہی جس کا لحاظ مکان میں بھی ضروری ہی لباس میں بھی بلکہ ہر چیز میں جس کا تعلق نماز سے ہی وہ یہ کہ غصبی نہو غصبی کا مطلب یہ ہی کہ کسی دوسرے کی ملکیت جس میں تصرف کے متعلق مالک کی طرف سے نہ اجازت حاصل ہوسکی ہو نہ اُسکی رضامندی کا اندازہ ہو۔

مکان اور لباس تو پھر بھی نماز سے بلا واسطہ متعلق ہیں اگر اپنے مکان کے کوٹھے پر وضو کریں ہاتھ آگے بڑھا کر اس طرح کہ دوسرے کے حدود ملکیت کی فضا میں پہنچے تو وضو صحیح نہ ہوگا۔

یہ ہی حقوق الناس کی اہمیت کا نتیجہ جو خدا کی نگاہ مین حقوق اللہ سے زیادہ ناقابل معافی ہیں۔

جس طرح مرد اور عورت کو فطرت نے الگ الگ پیدا کیا ہی شریعت بھی اُن کو الگ الگ رکھنا چاہتی ہے وہ چاہتی ہے کہ مرد یہ احساس رکھیں کہ ہم مرد ہیں اور عورتیں یہ احساس رکھیں کہ وہ عورت ہیں۔

عورت کی صفت ہی نزاکت اسلیے نازک اور ملائم لباس اس کے لیے مناسب ہے۔ مرد محنت مشقت مزدوری کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس لیے اس کے مناسب لباس ہونا چاہیے۔

بے شک میدان جنگ میں جنگ کے مفاد سے ریشم کے لباس کی بھی اجازت دی گئی ہی۔

مرد اور عورت میں تفرقہ کے قائم رکھنے ہی کے لیے مرد کے مخصوص لباس کو عورت کے لیے اور عورت کے مخصوص لباس کو مرد کے لیے ناجائز قرار دیا ہی۔

یہ امر مختلف ممالک کے عادات اور رسم ورواج کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہی آپ کے ملک میں آپ کے رواج کا لحاظ ہوگا۔ مثلاً پائنچہ دار پائجامہ۔ لہنگا۔ ساری۔ عورت کا لباس ہے۔ اچکن۔ ٹوپی۔ شیروانی انگرکھا مرد کا لباس ہے اس کا استعمال دوسری صنف کے لیے حرام و ناجائز ہے۔ ہاں مشترک لباس ہیں جیسے قمیص کرتا۔ گھٹنا اس میں کوئی مضائقہ نہیں اُسے دونوں استعمال کر سکتے ہیں۔

کھڑا ہوا قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز شروع کی اور رکوع و سجود سب ادا کیا۔ حضرت نے فرمایا۔ یا حماد لا تحسن ان تصلی حماد تمھیں نماز پڑھنا نہیں آتی۔ اللہ اکبر! اتنا ہی کافی تھا مگر اس کے بعد ایک تازیانہ لگایا گیا ہے صرف حماد ہی کو نہیں بلکہ تمام شیعیت کے دعویداروں کو! ارشاد ہوتا ہے ما اقبح بالرجل منکم ان یأتی علیه ستون سنة او سبعون سنة فما یقیم صلوٰة واحدة بحدودها تامة "تم میں سے کسی ایک شخص کے لیے کتنی بُری بات ہے یہ کہ ساٹھ یا ستر برس کی عمر ہو جائے اور وہ ایک نماز بھی اس کے حدود و قواعد کے ساتھ مکمل طور پر ٹھیک سے نہ پڑھے" حماد کہتے ہیں فاصابنی فی نفسی الذل مجھے اپنے دل میں خود ایک ذلت سی محسوس ہوئی۔ یعنی میں خود اپنی نگاہ میں حقیر سا معلوم ہونے لگا۔ میں نے عرض کیا جعلت فداک فعلمنی الصلوٰة میری جان آپ پر نثار پھر مجھے نماز تعلیم فرمائیے۔

یہ سُنکر حضرت کھڑے ہوئے قبلہ کی طرف رُخ کر کے سیدھے فارسل یدیه جمیعا علی فخذیه قد ضم اصابعه اپنے دونوں ہاتھ آپ نے دونوں زانوؤں کے اوپر ڈال لیے اس طرح کہ انگلیاں ہاتھوں کی ملی ہوئی تھیں۔ حماد کو تنبیہ سخت ہو چکی تھی اس لیے امام کے ہر فعل کو بڑے غور سے دیکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ الفاظ کے ذریعہ سے امام کی پوری تصویر

(نماز کی کیفیت)

شرائط حاصل ہو چکے۔ اذان اور اقامت کہی جا چکی۔ اب اصل نماز کی منزل ہے۔

یوں تو نماز کے واجبات اُنگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں مگر ان واجبات کے ادا کرنے میں سکون اور اطمینان کی ضرورت ہے۔ پھر آداب قواعد ہیں اگر ان کی مراعات کی جائے تو نماز میں ایک خاص شان پیدا ہو جاتی ہے ائمہ معصومینؑ نے کوشش کی ہے کہ اُن کے متبعین نماز کو امتیازی شان سے بجا لائیں۔

ملاحظہ ہو حماد بن عیسیٰ کی روایت جو امام کے ایک جلیل القدر صحابی ہیں ایک روز امام جعفر صادقؑ نے مجھ سے فرمایا تحسن ان تصلّی یا حماد کیوں حماد نماز بھی پڑھنا آتی ہے؟ یاد رکھیے کہ یہ حماد علوم آل محمدؐ کے عالم ہیں۔ کوئی اور بھلا حماد سے یہ سوال کہاں کر سکتا تھا مگر یہ امام کا سوال تھا حماد کیا کہتے عرض کیا یا سیدی انا احفظ کتاب حریز فی الصلوٰۃ میں حریز کی کتاب جو نماز کے بارے میں ہے، اُسے حفظ رکھتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا لا علیک قم صلّ اچھا کوئی حرج نہیں۔ کھڑے ہو نماز پڑھو۔ حماد کہتے ہیں میں امام کے سامنے

قطرۃ ماء اودھن لم تزل لاستواء ظھرہ ونصب عنقہ وغمض عینیہ:
آپ نے رکوع میں اپنے گھٹنوں کو پیچھے کی طرف دبا لیا یہاں تک کہ پشت
آپ کی استوار ہوگئی اس حد تک کہ اگر پانی یا تیل کا کوئی قطرہ ڈالا جائے
تو وہ اپنی جگہ سے ہٹے نہیں پشت کے استوار ہونے کی وجہ سے۔
اس کے ساتھ آپ نے اپنی گردن کو آگے کی طرف بڑھایا اور آنکھوں کو
بند کر لیا۔ ثم سبح ثلاثا بترتیل وقال سبحان ربی العظیم وبحمدہ
پھر آپ نے ترتیل کے ساتھ تسبیح پڑھی سبحان ربی العظیم وبحمدہ
تین مرتبہ ثم استوی قائما پھر سیدھے کھڑے ہو گئے فلما استمکن
من القیام قال سمع اللہ لمن حمدہ جب اطمینان کے ساتھ قیام ہو گیا
تو کہا سمع اللہ لمن حمدہ ثم کبر وھو قائم ورفع یدیہ حیال وجھہ
پھر تکبیر کہی کھڑے ہی کھڑے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے چہرے کے مقابل
میں بلند کئے وسجد ووضع یدیہ علی الارض قبل رکبتیہ وقال
سبحان ربی الاعلیٰ وبحمدہ ثلث مرات پھر سجدہ کیا اور اپنے دونوں
ہاتھ گھٹنوں کے پہلے زمین پر رکھے (یہ ایک نقطۂ اختلاف ہے ہمارے
اور اہلسنت کے درمیان۔ وہ گھٹنوں کو زمین پر پہلے ٹیکتے ہیں پھر ہاتھ
زمین پر رکھتے ہیں) سجدہ میں آپ نے تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ
وبحمدہ کہا۔ ولم یضع شیئا من بدنہ علی شیئی منہ آپ نے

دوسروں کے سامنے پیش کردیں۔ یہ حالت قیام کی تصویر ہے۔ ابھی
تکبیرۃ الاحرام نہیں ہوئی ہے صرف نماز کا تہیا ہے وفرق بین قدمیہ حتی
کان بینھما ثلاثۃ اصابع مفرجات " دونوں پیروں میں آپ نے
فاصلہ قرار دیا اتنا جیسے تین انگلیاں کشادہ واستقبل باصابع رجلیہ
لم تحرف فیھما عن القبلۃ اور پیروں کی سب انگلیوں کو قبلہ رُخ کرلیا
ذرا بھی وہ ادھر ادُھر نہیں تھے۔ بخشوع واستکانۃ اس سب میں
فروتنی اور عاجزی کا ایک عالم تھا کہ جو نمایاں تھا فقال اللّٰہ اکبر اب
آپ نے تکبیرۃ الاحرام کہی ثم قرأ الحمد بترتیل وقل ھو اللّٰہ احد
پھر سورۂ حمد اور قل ہو اللہ بہت روشن طریقہ پر حروف
کو نمایاں کرکے تجوید کے ساتھ پڑھا ثم صبر ھنیئۃ بقدر ما
یتنفس وھو قائم پھر ذرا سا تامل کیا اتنا کہ جیسے سانس لیتے ہیں
اس حالت میں کہ آپ کھڑے ہوئے تھے ثم قال اللّٰہ اکبر وھو قائم
پھر اسی کھڑے ہونے کی حالت میں آپ نے اللّٰہ اکبر کہا (یہ نہیں کہ سورہ کے
بعد رکوع کے لیے جھک گئے اور اس حالت میں تکبیر زبان پر جاری کی)۔
ثم رکع وملأ کفیہ من رکبتیہ مفرجات پھر آپ نے رکوع کیا اور
اپنی ہتھیلیوں کو پُر کرلیا اپنے گھٹنوں سے اس حالت میں کہ انگلیاں کشادہ
تھیں ورد رکبتیہ الی خلفہ حتی استوی ظھرہ حتی لو صبت علیہ

ولم یستعن بشئی من بدنہ علی شیئی منہ فی رکوع ولا سجود وکان مجنحا ولم یضع ذراعیہ علی الارض۔ آپ نے کسی حصۂ جسم کے لیے دوسرے حصۂ جسم کا سہارا نہیں لیا۔ نہ رکوع میں اور نہ سجدہ میں اور آپ نے ہاتھوں کو اس طرح رکھا تھا جیسے طائر کے بازو ہوتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو سجدہ میں زمین پر نہیں رکھا (جیسے سجدۂ شکر میں ہوتا ہے) فصلّی رکعتین علی ھذا اسی طرح آپ نے دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر فرمایا یا حماد ھکذا صلّ ولا تلتفت ولا تعبث بیدیک واصابعک

اے حماد اس طرح نماز پڑھا کرو اور نماز میں ادھر ادھر دیکھو نہیں اور ہاتھوں اور انگلیوں کو بے کار جنبش نہ دو۔"

یہ تھی وہ صورت نماز جو حماد کو بتلائی گئی تھی۔ یاد رکھیے کہ اس سے بھی صرف نماز کی ظاہری صورت مکمل ہوتی ہے مگر روح نماز اس کے علاوہ ہے کوئی شخص اگر بالکل اسی صورت سے مکمل طور پر نماز پڑھے مگر للہیت کا جذبہ نہ موجود ہو اور خالق کی اطاعت کا خیال نہ پایا جاتا ہو بلکہ لوگوں کے دکھانے کا مقصد پیش نظر ہو تو وہ نماز ذرا بھی قیمت نہیں رکھتی اور بارگاہ الٰہی میں قبول ہونے کے قابل نہیں ہے۔

روح نماز میں پیدا ہوتی ہے عبادت کی اہمیت کے احساس سے اور بارگاہ الٰہی کی عظمت کے تصور اور رجوع قلب سے جس کا نتیجہ ہے

سجدہ میں کوئی جزو اپنے جسم کا دوسرے جزو پر نہیں رکھا۔
یہ سجدہ کی مقررہ صورت کی خصوصیت ہے کہ اس میں کسی حصۂ جسم کا بار دوسرے حصے پر نہیں پڑتا۔ وسجد علی ثمانیۃ اعظم الجبھۃ والیدین والرکبتین وانامل ابھامی الرجلین والانف فھذہ السبعۃ فرض ووضع الانف علی الارض سنۃ وھو الارغام۔
آپ نے جسم کی آٹھ ہڈیوں کو زمین پر رکھ کے سجدہ کیا پیشانی اور دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے اور پیروں کے دونوں انگوٹھے اور ناک وہ ساتوں جزو فرض ہیں اور ناک کا زمین پر رکھنا سنت ہے جس کا نام ہے ارغام۔
ثم رفع راسہ من السجود فلما استوی جالسا قال اللہ اکبر پھر آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا جب اچھی طرح بیٹھ گئے تو کہا اللہ اکبر۔ ثم ثنی جانبہ الایسر ووضع ظاہر قدمہ الیمنی علی باطن قدمہ الیسری وقال استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔
اللہ اکبر کہنے کے بعد اس طرح بیٹھے کہ بائیں پہلو پر زور دیا اور داہنے پاؤں کی پشت کو بائیں پاؤں کے تلوے پر رکھا اور استغفر اللہ ربی واتوب الیہ زبان پر جاری کیا۔ ثم کبر وھو جالس وسجد الثانیۃ وقال کما قال فی الاولی پھر بیٹھے ہونے کی حالت میں تکبیر کہی اور دوسرا سجدہ کیا اور جو پہلے سجدے میں کہا تھا وہی اس سجدہ میں بھی کہا۔

رہنے کا اطمینان۔ اگر یہ خیال نماز کے وقت پیدا ہو جائے تو یقیناً نماز
اُس طرح ادا ہوگی جس طرح انسان کو پڑھنا چاہیئے۔

ایمۂ معصومینؑ

(اور)

شیعیان اہلبیت کی شان نماز

جس طرح اقوال سے ایمۂ معصومینؑ نے لوگوں کو نماز میں خضوع و خشوع پیدا کرنے کی ہدایت فرمائی، اُسی طرح اپنے عمل سے ایسے ہی نمونے پیش کیے اور ہونا بھی یہی چاہیئے تھا اس لیے کہ ان کا نصب العین تھا دنیا کو علم و عمل میں کمال کے درجہ پر پہونچانا لہذا خود انھیں ہر شعبۂ زندگی میں حدّ کمال پر ہونا ضروری تھا چنانچہ امام زین العابدینؑ کی یہ کیفیت تھی کہ اذا قام الی الصّلوٰۃ تغیر لونه فاذا سجد لم یرفع راسه حتی یرفض عرقا "جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو آپ کا رنگ چہرے کا متغیر ہو جاتا تھا اور جب سجدہ کرتے تھے تو سر نہیں اُٹھاتے تھے جب تک پسینہ میں تر نہیں ہو جاتے تھے" چونکہ حالات نماز میں سب سے بلند موقع سجدہ کا ہے اس لیے ایمۂ معصومین سب سے زیادہ طول سجدہ میں دیتے تھے ایک روایت میں ہے کان علی بن الحسینؑ اذا قام الی الصّلوٰۃ

حقیقی خضوع و خشوع جو دل سے متعلق ہے۔ ائمہ معصومینؑ نے اس احساس کو بھی پیدا کرنا چاہا ہے مختلف طریقوں سے کبھی یہ ارشاد فرمایا:۔ اذا قمت الی الصلوٰۃ فاعلم انک بین یدی اللہ فان کنت لا تراہ فاعلم انہ یراک "جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو یقین رکھو کہ تم خدا کے سامنے ہو۔ تم اُسے نہیں بھی دیکھتے ہو تو یقین جانو کہ وہ تمھیں دیکھتا ہے"

اگر عمل کے وقت یہ احساس قائم رہے کہ وہ خدا کے سامنے ہے اور یہ کہ خدا اُسے دیکھ رہا ہے تو کیا ممکن ہے کہ اُسکے دل میں ادھر اُدھر کے خیالات پیدا ہوں اور نظر ادھر اُدھر مڑ جائے۔

جتنے گناہ انسان کرتا ہے صرف اس لیے کہ وہ اس کا تصور قائم نہیں رکھتا کہ خدا حاضر و ناظر ہے اور یہ کہ خدا اُسے دیکھ رہا ہے۔

اگر یہ احساس قائم رہے تو ناممکن ہے کہ انسان گناہ میں مبتلا ہو یا عبادت کو بے دلی کے ساتھ انجام دے۔

ایک جگہ ارشاد ہوا ہے:۔ اذا صلیت فصل صلوٰۃ مودع یخاف ان لا یعود الیھا "جب نماز پڑھو تو یہ خیال کر کے کہ یہ آخری نماز ہے۔ کہ ممکن ہے اس کے بعد پڑھنا نہ نصیب ہو"

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں کسے معلوم کہ جو نفس آ رہا ہے وہی آخری نہیں ہے۔ چہ جائیکہ دوسری نماز تک زندہ

نماز شروع کرنا چاہے تو ہاتھوں کو بلند کرے اور تین مرتبہ تکبیر کہے پھر یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْمَلِکُ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ

ان مختصر الفاظ میں تحمید و توحید ہے اور اسکے ساتھ تسبیح پھر اعتراف گناہ ہے۔ اور توبہ و استغفار ہے۔ وہ آتا ہے بارگاہ کے دروازے پر اور کہتا ہے "خداوندا تو ہے بادشاہ"، انسان کی ذہنیت یہ ہے کہ وہ اقتدار سے مرعوب ہوتا ہے مگر ہر اقتدار سے بالاتر خدا کا اقتدار ہے اس لیے اُس کے اقتدار کو یاد کرکے انسان عظمت کا احساس پیدا کرتا ہے پھر خیال کرتا ہے کہ دنیا میں بادشاہ تو بہت ہیں پھر خالق کی خصوصیت کیا ہوئی تو کہتا ہے "الحق"، یعنی دوسرے اگر بادشاہ ہیں تو مجازی حیثیت سے حقیقی بادشاہ صرف تو ہے۔ "المبین"، یعنی تیری سلطنت کیلئے کسی ثبوت کی تلاش کی ضرورت نہیں اُس کے آثار روشن اور نمایاں ہیں اس سلطنت و اقتدار کے ساتھ احساس ہوتا ہے کہ پھر انتہائی تعظیم کا لائق اور پرستش کا مستحق بھی وہی ہے۔ اس لیے کہتا ہے کہ لا الٰہ الا انت کوئی معبود حق نہیں سوائے تیرے۔ اس طرح تحمید کے بعد توحید کی منزل طے ہوئی۔ سبحانک "پاک ہے تیری ذات"، اس میں نقائص کی اُس

پتہ چلائے اسی فکر میں وہ مسجد اعظم میں آیا اور اُس نے دیکھا کہ مسجد کے ایک ستون کے پاس ایک بزرگ نماز میں مشغول ہیں اور بہت سی نمازیں انھوں نے پڑھی ہیں۔ تاریخ کے الفاظ ہیں۔ فقال فی نفسہ ان ھٰؤلاء الشیعۃ یکثرون الصلٰوۃ واحسب ھٰذا منھم

"اُس نے اپنے دل میں کہا کہ یہ شیعہ لوگ نماز بہت پڑھتے ہیں اور میرا خیال ہی کہ یہ شخص ان ہی میں سے ہے" اسی خیال پر وہ آگے بڑھا اور اُس نے سراغ رسانی میں کامیابی حاصل کی۔ یہ بزرگ مسلم بن عوسجہ تھے جو حضرت مسلم بن عقیل کی جانب سے لوگوں سے بیعت لیتے تھے۔

آپ نے دیکھا کہ کثرت نماز وعبادت اُس زمانہ میں شیعہ فرقہ کی علامت تھی۔ افسوس ہی کہ آج ہمارے فرقہ کے بہت سے افراد نماز سے بے توجہی برتتے ہیں اور اُسے اہمیت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔

(تکبیرات استفتاح)

نماز سے پہلے سات تکبیریں کہنے کا حکم دیا گیا ہی جن میں سے ایک تکبیرۃ الاحرام ہوگی اور چھ تکبیریں مستحب۔ یہ اسی لیے کہ کسی ایک تکبیر میں شاید دل پر اثر پڑ جائے۔ اور نماز رجوع قلب کے ساتھ ہو جائے۔ اسی لیے درمیان میں ایسی دعائیں قرار دی گئی ہیں کہ جن سے انسان متاثر ہو سکتا ہے

اُس وقت تک تو بندہ اس قابل ہی نہ تھا کہ بارگاہ الٰہی میں اُس کو حاضری کی اجازت ملے مگر جب اس نے گناہوں کا اقرار کر لیا اور توبہ کر لی۔ یاد رکھیے کہ خدا کا دربار دنیا کے سلاطین و امرار کا دربار نہیں جہاں درخواست کی منظوری کے لیے مدتوں کی ضرورت ہو۔ بلکہ یہ وہ بارگاہ ہے جہاں صدق دل سے توبہ کا خیال آنے کے ساتھ ہی گناہ کی معافی کا پروانہ مل جاتا ہی

پہلے تکبیرات کے بعد ہی جب خدا کی حمد و ثنا کے بعد یہ کہا کہ میں مجرم ہوں خداوندا میرے گناہ کو معاف کر دے۔ تیرے سوا کون ہی جو مجھے معافی کا پروانہ دے سکے۔ اگر یہ الفاظ صحیح احساس اور اقرار کے ساتھ کہے گئے ہوں تو بھی عفو گناہ کے لیے کافی ہیں۔ اب گویا یہ بندہ اس قابل ہوا کہ بارگاہ صمدی میں اس کو حاضر ہونے کے لیے آواز دی جائے۔ غیب کی آواز اس کے دل کے کانوں میں آتی ہی اور یہ کہتا ہی لبیک "حاضر ہوں" "اور میری خوش قسمتی تیری توجہ کے ساتھ وابستہ ہے" اور بہتری تیرے قبضہ میں ہی اور برائی کا تیری طرف گزر نہیں اور ہدایت یافتہ وہی ہی جس کی تو ہدایت کرے"

مطلب یہ معلوم ہوتا ہی کہ آیندہ زندگی میں میرا صحیح راستے پر قائم رہنا تیری ہی ہدایت پر موقوف ہی " تجھ سے بھاگنے کی کوئی جگہ

کی ذات سے نفی کی اور اُس کی ذات کے پاک اور منزہ ہونے کا اظہار کیا
اس طرح اپنے خالق کے ہمہ تن کمال ہونے کا اقرار کرنا تھا کہ اپنے نقائص
پر نظر گئی اور کوتاہیوں کا احساس ہوا فوراً کہہ اُٹھا انی ظلمت نفسی
"بار الٰہا میں نے اپنے نفس پر بڑا ستم کیا، یعنی گناہوں کا ارتکاب کرتا رہا
کیونکہ اصطلاح قرآنی میں گناہوں کے مرتکب کو ظالم کا لقب دیا گیا ہے
ارشاد ہوتا ہے ومن یتعد حدود اللّٰہ فاولئک ھم الظالمون
"جو لوگ خدا کی مقرر کی ہوئی حدوں سے آگے بڑھتے ہیں وہی ظالم ہیں"
گناہ کے احساس کے بعد انسان ادھر اُدھر نظر ڈالتا ہے کوئی سہارا
سوائے خدا کے نظر نہیں آتا فاغفر لی ذنبی انہ لا یغفر الذنوب
الا انت "خداوندا اب میرے گناہ کو بخش دے یقیناً سوائے تیرے
کوئی نہیں جو گناہوں کو معاف کر سکے"

اس کے بعد پھر دو مرتبہ تکبیر کہہ کر لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ
فِي يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ وَالْمَهْدِيُّ مَنْ هَدَيْتَ لَا مَلْجَأَ
مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ سُبْحَانَكَ وَحَنَانَيْكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ
سُبْحَانَكَ رَبَّ الْبَيْتِ۔

یعنی "حاضر ہوں" یہ لبیک کی صدا کسی مخفی دعوت کا پتہ دے رہی
ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک پہلی دعا میں گناہوں سے استغفار کیا ہے

اگر ان کلمات کا انسان کے دل پر اثر پڑ جائے تو کیا ممکن بھی ہے کہ نماز میں انسان کو رجوعِ قلب ہو یا وہ اِدھر اُدھر کے خیالات سے اپنے دماغ کو پریشان رکھے۔

انسان کو اختیار ہے کہ ان ہی تکبیرات میں جس کو چاہے بقصد تکبیرۃ الاحرام کہے۔ اس دعائے توجہ (وجّہت وجھی الخ) کے بعد اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ کے ساتھ سورۂ حمد شروع کرے جو نماز میں فرض و لازم ہے۔ اس کے علاوہ سوائے تکبیرۃ الاحرام کے تمام تکبیرات اور دعائیں مستحب ہیں ان کا پڑھنا واجب نہیں ہے۔

(سورۂ حمد)

نماز میں سورۂ حمد کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ارشاد ہوا ہے لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب یہاں تک کہ نوافل میں دوسرا سورہ ترک کرنا اگرچہ جائز ہے مگر سورۂ حمد ان میں بھی ضروری ہے اور واجبی نماز میں دوسرے سورہ میں کوئی تعیین نہیں مگر سورۂ حمد معین طور پر لازم ہے یعنی کوئی دوسرا سورہ اس کا قائم مقام نہیں ہو سکتا اسی بنا پر سورۂ حمد کے اسماء میں بعض علماء نے سورۃ الصلوٰۃ بھی نام درج کیا ہے۔

نہیں سوائے تیرے " یعنی انسان تجھ سے بھاگ کر جائے تو کہیں اُس کا ٹھکانا نہیں ہر پھر کے اُسے تیری ہی طرف آنا پڑے گا " پاک ہی تیری ذات اور مہربان ہے تو ، بابرکت ہے اور تیری ذات بلند ہے ، تو ضرور نقائص سے پاک اور بری ہے اے خانۂ کعبہ کے پروردگار "

اب گویا بندہ بارگاہ احدیت میں حاضر ہو گیا اور جلال حضرت احدیت اُس کے چہرہ کے سامنے آگیا وہ دو مرتبہ اور تکبیر کہتا ہے اور عرض کرتا ہے ۔ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضَ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلٰوتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۔

" رُخ کیا میں نے اُس کی طرف جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور وہ واقف ہی غیب کی باتوں کا ، میں اُس کے لیے خلوص کے ساتھ سر جھکاتا ہوں اور کسی کو اُس کے ساتھ شریک نہیں کرتا ۔ میری نماز اور میری عبادت اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لیے ہے جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا کوئی اُس کا شریک نہیں ہے اور اسی کا مجھے حکم ہوا ہے اور میں سر نیاز خم کئے ہوں اُس کی بارگاہ میں "

یہ ہیں وہ الفاظ جن سے نماز کا افتتاح ہوتا ہے ۔ سچ بتائیے کہ

تو معلوم ہوگا کہ اُن سب کا خلاصہ ہی عبد و معبود کا باہمی تعلق کہ خالق بے نیاز اور مرکز فیض ہے اور مخلوق محتاج اور اُس کے فیض کا طالب ہی خالق اور مخلوق کے اس تعلق کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بتلاتا ہی جس میں بندہ اپنے خالق کے فیض و رحمت کا پتہ دیتا ہوا اُس سے امداد کا طالب ہوتا ہے

غالبًا اسی اہمیت کا تقاضا ہی کہ سورۂ حمد میں اس آیت کے سیے خصوصیت سے بلند آواز سے پڑھنے کا حکم ہی چاہے نماز ظہر یا عصر کی ہو جس میں سورۂ کو آہستہ پڑھنا لازم ہی۔

اب ذرا سورۂ حمد کے معانی پر نظر ڈالیے تفصیل کا یہ موقع نہیں اس کے لیے ہماری کتاب تفسیر کا مطالعہ فرمائیے جس کی ایک جلد مستقل سورۂ حمد کی تشریح میں لکھی گئی ہے۔

انسان آتا ہی مصلے پر اور نیت نماز کرتا ہی جس میں عمل کو اپنی طرف منسوب کر کے اُس کے بجا لانے کے مقصد کا اظہار ہے اس میں گنجائش نکلتی ہے کسی حد تک عجب و خود بینی کی، اس لیے بلند آواز سے کہتا ہی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم " مدد سے اللہ کی جو بڑی رحمت والا اور بڑا رحم کرنیوالا ہے"

مطلب اس کا محل کے تقاضا سے یہ ہوتا ہی کہ جو کچھ میں عمل بجا لانا چاہتا ہوں اُس کے لیے ارادہ تو میرا ہی مگر تکمیل اُسکی اللہ کی مدد پر موقوف ہے

الحمد للہ رب العالمین " تعریف مخصوص ہی اللہ کیلیے جو تمام جہانوں

سورۂ حمد کے متعلق امیر المومنین کا یہ قول مشہور ہے کہ جو کچھ تمام قرآن میں ہے وہ سورۂ حمد میں ہے اس کی حقیقت و تشریح کو تو پورے طور پر ہم نہیں سمجھ سکتے مگر ہم اپنی عقل کے مطابق بھی غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام قرآن کا مقصد اصلی دو باتیں ہیں اعتقاد اور عمل۔ اعتقاد کے دو شعبے ہیں۔ مبدا اور معاد اور عمل کے دو شعبے ہیں۔ اچھے اوصاف سے اتصاف اور بُرے اوصاف سے اجتناب۔

سورۂ حمد ترتیب وار ان تمام امور پر مشتمل ہے الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مبدأ اول یعنی حضرت احدیت کا اعتقاد مالک یوم الدین روز آخرت ایاک نعبد و ایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم اچھے اعمال سے اتصاف اور غیر المغضوب علیھم ولا الضالین برے اعمال سے اجتناب۔

معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ حمد ایک متن ہے اور تمام قرآن اُس کی شرح وہ اصل ہے اور مجموعۂ کلام مجید اُس کی تفصیل۔

سورۂ حمد میں بھی اہم ترین آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے اس کے متعلق امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے کہ جو کچھ تمام سورۂ حمد میں ہے وہ تنہا بسم اللہ میں ہے۔

آپ ان چاروں شعبوں پر غور کیجیے جن کا پتہ میں نے سورۂ حمد سے دیا ہے

ایاك نعبد و ایاك نستعین " تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں
اور تجھ ہی سے مدد کے طالب ہیں "

دوسرا مقام ہوتا تو " ہم " کی لفظ کے تخاطب میں عظمت کی شان پیدا ہوتی تھی انکسار، مگر بڑے کی بارگاہ میں اپنی خدمت کے پیش کرنے کے موقع پر " میں " کی لفظ انانیت کا اظہار کرتی ہے کہا جا رہا ہے کہ " ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں " یعنی یہ خود اپنی ہستی کو انفرادا اور اس کے خدمات کو قابل تذکرہ ہی نہیں سمجھتا بلکہ اپنے تئیں تمام بندگان خدا میں شامل کر کے بارگاہ الٰہی میں عرض معروض کرتا ہے پھر عبادت کو اپنی طرف منسوب کرنے سے اپنے نفس پر اعتماد کا اظہار ہوتا تھا اس لیے کہہ دیا و ایاك نستعین یعنی ہم کیا جو تیری عبادت کر سکیں۔ ہم اپنے مقدور بھر عبادت کرتے ہیں اور پھر مدد کے تجھ ہی سے امیدوار ہیں۔

چونکہ خدا کی مدد انسان کے عمل پر موقوف ہے و الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا " جو ہمارے رستوں میں جدوجہد کرتے ہیں انھیں ہم منزل مقصد تک پہونچا بھی دیتے ہیں " اس لیے پہلے ایاك نعبد کہا گیا ہے۔ پھر و ایاك نستعین کیونکہ اگر اس کی جانب سے عبادت کی پیش قدمی نہ ہو تو اسے امداد حاصل کرنے کا حق ہی نہیں

کا پروردگار ہے" اسے ایک سپاسنامہ سمجھیے جو بندہ اپنے مالک کے دربار میں حاضری کے بعد پیش کر رہا ہے الرحمٰن الرحیم "وہ جو بڑی رحمت والا اور بہت رحم کرنے والا ہے" اس کا تذکرہ بسم اللہ میں بھی ہو چکا تھا مگر وہاں امداد طلب کرنے کے ذیل میں تھا اور یہاں استحقاق حمد کے ثبوت میں۔ محل بدلا ہوا ہے اور مفاد جداگانہ اسلیے تکرار لازم نہیں آتی مالک یوم الدین "وہ جو روز جزا کا مالک ہے" اس کے پہلے ربوبیت کا تذکرہ تھا جس کے نمایاں آثار اس دنیا میں سامنے ہیں، اب نظر آگے بڑھی اور اقرار ہوا کہ دنیا میں نہیں بلکہ آخرت پر قبضہ بھی اُسی کا ہے۔ اس لیے بندہ کی حاجتیں وہاں کے لیے بھی اُس سے وابستہ ہیں۔ الوہیت انسان کی ہستی سے پہلے ہے۔ ربوبیت انسان کے دورہستی میں ظاہر ہے جو اُس کی بقا و تکمیل کی باعث ہے اور یوم الدین کی مملکت آئندہ دور سے متعلق ہے اس طرح ان مختصر الفاظ میں انسان کی نگاہ ماضی، حال اور مستقبل سب کے اوپر پڑ گئی۔ اور خالق کی عظمت کا ایک نقشہ سامنے کھنچ گیا جس کی وجہ سے اس کے پہلے اگر وہ اس کی نگاہ سے اوجھل تھا اس لیے یہ غائبانہ انداز سے تخاطب کر رہا تھا تو اب پردہ ہٹ گیا اور اُس کا جلال بالکل آنکھوں کے سامنے آگیا۔ اس لیے انداز کلام بدلا تخاطب کا انداز پیدا ہوا

انسان کو چاہیے کہ سورہ کے ان الفاظ کو بطور تلاوت زبان پر جاری کرتا رہے اور دل میں اُس کے یہی احساسات پیدا ہوتے رہیں۔ اس سے اعمال خیر کی طرف رجحان اور بُرے اعمال سے نفرت کا جذبہ پیدا ہوگا اور مقصد عبادت کی تکمیل ہوگی۔

(دوسرا سورہ)

سورۂ حمد کے بعد کوئی دوسرا سورہ پڑھنا چاہیئے۔ اس کے لیے کوئی تعیین نہیں ہے پھر بھی سورۂ حمد کے بعد تمام سوروں میں افضل سورۂ قل ھو اللہ ہے لیکن پہلی رکعت میں انا انزلناہ پڑھنے کی بھی ہدایت ہوئی ہے اس لیے ہم مختصر طور پر انا انزلناہ پھر قل ھو اللہ کے معانی درج کرتے ہیں کہ نماز میں ان کا پڑھنا خاص طور پر وارد ہوا ہے۔

(سورۂ انا انزلناہ)

یہ سورہ خاص طور پر جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے کیونکہ آپ کی تسلی کے لیے نازل ہوا ہے۔

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر (ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں

پھر یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ یہ امداد کسی حاجت دنیا کے سلسلہ میں نہیں ہے اس کی تشریح کردی اھدنا الصراط المستقیم وہ امداد یہ ہے کہ ہم کو سیدے راستے کی ہدایت فرما، وہ سیدھا رستہ کون سا؟

صراط الذین انعمت علیھم ان لوگوں کا رستا جن کو تونے اپنی نعمت سے مالامال کیا ہے۔

یہ لوگ کون ہیں۔ اس کی تشریح قرآن مجید میں ایک اور جگہ کردی گئی ہے اس طرح کہ فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جن پر خدا کی طرف سے انعام ہوا ہے مطلب یہ ہوتا ہے کہ مجھ کو انبیاء و صدیقین شہداء اور صالحین کے راستے پر لے چل یعنی ان کے سے اعمال بجا لانے کی توفیق دے۔

ضد سے ضد کی طرف نگاہ کا مڑنا لازمی بات ہے۔

ان نیکوکار لوگوں کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ہی برے اعمال کے مرتکب لوگوں کی طرف نگاہ گئی اور ان سے نفرت پیدا ہوئی۔ بندہ نے ان سے برارت کرنا چاہی اور پناہ مانگی کہ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ان لوگوں کے رستے کی طرف نہیں جن پر تیرا غضب نازل ہوا ہے اور نہ وہ جو گمراہ ہیں۔

(وما ادراک ما لیلۃ القدر)

اور کیا خبر تمھیں کہ شب قدر کیا چیز ہے؟ یہ استفہام اظہار عظمت کا ایک انداز ہوتا ہے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اُس کی فضیلت تمھارے حدود ادراک سے بالاتر ہے۔

(لیلۃ القدر خیر من الف شھر)

شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس کی شان نزول کے متعلق دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ رسالتمآب کو علم ہوا کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص ہزار مہینے تک تلوار دوش پہ رکھے مصروف جہاد رہا۔ آپ کو افسوس ہوا کہ میری اُمت کی عمریں اتنی کوتاہ ہیں کہ وہ اس نعمت سے بہرہ یاب نہیں ہوسکتے۔ یہ آیت اُتری جس کا مطلب یہ ہے کہ تمھاری اُمت کے لیے ایک اس رات کے اعمال اُن تمام ہزار مہینوں سے بہتر ہیں جن میں اُس اسرائیلی نے راہ خدا میں جہاد کیا تھا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے خواب میں دیکھا کہ بنی امیہ آپ کے منبر پہ بندروں کی طرح اچھل کود رہے ہیں۔ آپ کا کو اس کا بڑا غم ہوا۔

اس بنا پر یہ سورہ نازل ہوا۔ ہزار مہینہ سے مراد سلطنت بنی امیہ کی تمام مدت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے رسولؐ اس کا غم نہ کرو کہ بنی امیہ

نازل کیا۔ شب قدر کے معنی خداوندی قرارداد کی رات۔ احادیث ائمہؑ میں وارد ہوا ہے کہ اس رات کو تمام سال کے ہونے والے امور کی تقدیر و تعیین ہوتی ہے۔ وہ لوگ جن کا خیال ہے کہ تقدیریں تمام ازل میں یقینی طور پر ہو چکی ہیں اور اب کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔ اُن کے لیے شب قدر کا کوئی مفہوم پیدا نہیں ہوتا۔ مگر ہم کہ جو خداوندی تقادیر کو اسباب اور حالات پر مبنی سمجھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ خداوند عالم اب بھی نظام عالم سے بے تعلق اور معطل نہیں ہے بلکہ یمحو اللہ ما یشاء و یثبت و عندہٗ ام الکتاب یہی وہ خیال ہے جس کو بداء کے عقیدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے

ہمارے نزدیک لیلۃ القدر کا یہ مفہوم قرار پاتا ہے کہ اُن حتمی تقادیر کے ماتحت جو عمومی اسباب کی بنا پر ہمیشہ سے مقرر ہیں خاص وقتی حالات کے لحاظ سے ہر سال کے واسطے جو قراردادیں ہوتا ہیں وہ شب قدر میں مقرر ہوتی ہیں۔ اس شب میں تنزیل قرآن کے معنی بھی قابل بحث ہیں جبکہ وہ تیس برس کی طولانی مدت میں تدریجًا اترا ہے۔

اس کے متعلق میں نے مقدمۂ تفسیر میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ قرآن جیسا کہ احادیث سے مستنبط ہوتا ہے پہلے بیت المعمور میں نازل ہوا تھا پھر وہاں سے تدریجی طور سے رسولؐ پر اترا ہے۔ یہ تاریخ اسی تنزیل سے متعلق ہے جو ملأ اعلیٰ میں ہوا تھا۔

چونکہ عام طور سے طلوع آفتاب تک رات کی حد سمجھی جاتی ہے مگر شرع کی اصطلاح میں رات کی حد صبح صادق پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیے شب قدر کی بھی آخری حد طلوع صبح صادق ہی ہے۔ طلوع آفتاب نہیں ہے۔

(سورۂ قل ہو اللہ)

سورۂ حمد کے بعد تمام سوروں میں بلند درجہ سورۂ توحید کا ہے اس کو ثلث القرآن کہا گیا ہے۔ ممکن ہے اس کی یہ وجہ ہو کہ اصول اسلام تین ہیں۔ توحید۔ نبوت اور معاد۔ ہم جو اصول دین میں عدل اور امامت کا بھی شمار کرتے ہیں وہ اس بنا پر کہ عدل توحید کا ایک جزو ہے اور امامت نبوت کا ایک خاص ضمیمہ۔ الگ سے اس کا نام لے دیتے ہیں اس وجہ سے کہ لوگوں نے اس کا انکار ضروری سمجھا ہے مگر حقیقۃً توحید مکمل نہیں جب تک عدل کا اقرار نہ ہو اور رسالت کی تصدیق پوری نہیں جب تک امامت تسلیم نہ ہو۔

دیکھیے تو توحید کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خدا کے صرف وجود کا اقرار ہو کیونکہ یہ تو کسی نہ کسی حد تک تمام مذاہب عالم کا نقطۂ اتفاق ہے۔ عیسائی تین میں کا ایک کہہ کے بھی اس کے وجود کا اقرار رکھتے ہیں اور مشرکین صنم پرستی کے ساتھ بھی اس کی ہستی کے منکر نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ توحید کے اندر

تمھاری شریعت کو تباہ و برباد کرینگے کیونکہ جو تمھاری تعلیم پر قائم رہیں گے اور مومنین مخلصین ہوں گے اُن کے لیے ایک رات شب قدر، اُن تمام ہزار مہینوں سے بہتر ہے جن میں بنی امیہ سلطنت کرینگے۔ اسی شان نزول کے مطابق سمجھ میں آتا ہے کہ شب قدر کو زیارت امام حسینؑ کیوں وارد ہے چونکہ یہ شب بنی امیہ کے مظالم کے مقابلہ میں رسولؐ کی تسلی کا باعث ہوئی اس لیئے اس رات میں اہل ایمان کو وہ سب سے بڑا ظلم یاد دلایا جاتا ہے جس کے بنی امیہ مرتکب ہوئے تھے۔

تنزل الملائکۃ والروح فیھا باذن ربھم

"اُترتے ہیں فرشتے اور روح اس رات میں اپنے خدا کے حکم سے"

قرآن نے اتنا ہی بتلایا ہے کہ اس رات کو برابر فرشتے آسمان سے اُترتے ہیں مگر کہاں آتے ہیں۔ اس کی کوئی تصریح نہیں۔ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ یہ امام زمانہ کے پاس آتے ہیں۔

من کل امر سلام

"یہ رات ہر بات سے سلامتی کا ذریعہ ہے"

"ھی حتّٰی مطلع الفجر"

"وہ رات اپنے تمام برکات سمیت) صبح صادق کے طلوع تک باقی رہتی ہے"۔

آپ ایک مجمع کو مخاطب کر رہے ہیں، قرآن گویا ہر شخص کا شانہ ہلا کر اور جھنجھوڑ کر اُس سے کہتا ہے قل ھو اللہ احد " کہہ کہ وہ اللہ ہے واحد حقیقی"
اس میں پہلے خدا کی ذات کو کلمۂ ھو کے اشارے سے معین کیا گیا ہے
بات یہ ہے کہ اوصاف کبھی تعین ذات کا فائدہ نہیں دے سکتے ہر لفظ جس کا کوئی مستقل مفہوم ہے اپنے ساتھ ایک وسعت کی شان رکھتی ہے مفہوم کے ساتھ مفہوم کی قید لگانے سے کبھی تعین حاصل نہیں ہوتا لیکن اگر اشارہ کسی خاص ذات کی طرف ہو تو وسیع سے وسیع مفہوم بھی معین ہو جاتا ہے مثلاً وہ شے، وہ ہستی، وہ موجود، وہ مفہوم وغیرہ وغیرہ یہاں شئے، ہستی، موجود اور مفہوم کے الفاظ انتہائی وسیع ہیں مگر صرف "وہ" کے جزو نے اُس کو ایک سے مخصوص کر دیا۔ اس طرح کہ دوسرے کی گنجائش نہیں دوسرا ذریعہ تعیین کا نام لے دینا ہے وہ جو کسی ذات سے مخصوص ہے اب اگر نام لے کر اُس کے مسمی کا پتہ دینا ہو تو پھر وہی "وہ" کی لفظ رہ جاتی ہے جو اُسے معین بنائے۔ میں بتانا چاہتا ہوں کہ زید نام کس کا ہے تو یہ اسی صورت پر ممکن ہے کہ اُسے لا کر سامنے کھڑا کر دوں اور کہوں یہ زید ہے یا اگر سامنے نہیں تو "وہ" کی لفظ سے اُس کی طرف اشارہ کروں مثلاً وہ جو میرا مطلوب ہے زید ہے۔

خدا کی ذات ہمارے سامنے آ نہیں سکتی۔ اوصاف اُسکی ذات کی تعیین

اُس کے کمال ذات اور بلند اوصاف کا اقرار مضمر ہے۔ اب اگر کوئی شخص ایک ایسی ہستی کا اقرار رکھتا ہی جو اُس کے نزدیک ظلم، ناانصافی اور فعل عبث کے ساتھ متصف ہو تو یہ ہرگز اس ہستی کا اقرار نہیں ہے جو حقیقۃً ان تمام نقائص سے بالاتر ہے۔ خصوصاً جبکہ ہمارا اعتقاد اُس ذات سے وابستہ ہوتا ہی صرف ان ہی اوصاف کے ساتھ اشارہ کرکے ورنہ کوئی ذریعہ ہمارے لیے اُس کی تعیین کا نہیں ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ تمام معارف کا سرنامہ خدا کی معرفت ہی جس کو توحید کی لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ اسلام کا سب سے مقدم مقصد ہے۔ پھر دوسرے درجہ میں ہی رسالت اور تیسرے میں معاد۔ سورۂ قل ہو اللہ شروع سے آخر تک مقصد اول یعنی توحید کی مکمل تبلیغ کرتا ہی۔ اس اعتبار سے وہ تمام مقاصد قرآنی کی ایک تہائی پر مشتمل ہی اور اس لیے اُسے ثلث قرآن کہا گیا ہے۔

"قل ھو اللہ احد"

یہ خدا کی توحید کی دعوت ہی۔ پیغمبر اسلام کی آواز تھی قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا " کہو کہ کوئی معبود نہیں سوائے خدائے برحق کے تو نجات پاؤ گے "

رسالتمآب کی آواز میں ایک اجتماعی شان تھی معلوم ہوتا تھا کہ

کوئی چیز بھی احد نہیں ہے۔ احد وہ ایک اکیلا ہے جس میں کثرت کی آمیزش نہ ہو۔ یہ سوائے ایک اللہ کے اور کوئی بھی نہیں ہے۔

(اللہ الصمد)

" اللہ وہ مالک و سردار ہے جو سب کا قبلۂ مقصد اور مرکز حاجات ہے"

صمد کے یہی معنی ہیں جو ذات الٰہی کے لیے مناسب ہیں بعض لوگوں نے صمد کے معنی قرار دیے ہیں حالانکہ وہ ٹھوس چیز جس میں خول نہ ہو یہ ذات الٰہی کے لیے مناسب نہیں۔

(لم یلد ولم یولد)

" نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے"

اس کے پہلے جو توحید کا بیان ہوا تھا اُس سے براہ راست بت پرستی پر زد پڑتی تھی کیونکہ وہ غیر خدا کو محل عبادت اور مرکز حاجات قرار دیتے ہیں مگر اس فقرہ سے عیسائیت کی رد کی گئی ہے کیونکہ وہ عیسیٰ کو ابن اللہ کہتے ہیں اور یہود کا مقولہ بھی قرآن میں درج ہے کہ وہ عزیر کو ابن اللہ کہتے ہیں لم یلد وہ کسی کا باپ نہیں اس سے اس عقیدہ کو باطل کیا گیا ہے رہ گیا دوسرا فقرہ لم یولد " وہ کسی کا بیٹا نہیں" یہ بظاہر کسی مذہب کی رد نہیں ہے کیونکہ ہمیں نہیں معلوم کوئی ایسا فرقہ جو خدا کو کسی کا بیٹا سمجھتا ہو بلکہ اس کا تذکرہ اس محل پر پہلے فقرہ کی مناسبت سے ہے

کر نہیں سکتے۔ اب اُس کی ذات کی طرف ذہن کو لے جانے کے لیے ایک تو اُس کے اسم خاص کا ذریعہ ہے۔ اور وہ لفظ اللہ ہی مگر اللہ کے مسمی کا جب پتہ دینا ہی تو پھر غائبانہ ذہنی اشارہ کے سوا صورت ہی کیا ہی اور وہ ہے لفظ "ھو"، جو کسی مستقل مفہوم پر دلالت نہیں کرتا بلکہ تعین ہی تعین کے لیے وضع ہوا ہے قل ھو اللہ احد، نے خدا کی ذات کے بتانے کے لیے اسی سے کام لیا ہی کہو کہ وہ اللہ ہی۔ اُس کے پتہ دینے کے لیے "وہ" سے زیادہ کچھ ہے ہی نہیں۔ اس وہ کے شناسا بنانے کیلیے یہ ہمارا کام ہی کہ ہم اوصاف کی دنیا سمیٹ کر حمد و ثنا کے ذوق کو پورا کرلیں مگر یہ اوصاف اُس کی ذات تک صرف "وہ" کی مدد ہی سے رسائی حاصل کرسکتے ہیں۔ ورنہ کہاں وہ اور کہاں ہماری لفظوں کی دنیا میں گھرے ہوئے اوصاف۔ "وہ" نے ذہن کو اُس غیب الغیوب ہستی کی طرف متوجہ کیا اور اللہ کی لفظ نے اُس کا نام بتلایا پھر احد کے نعت نے اُس کی ذات کے لیے اُس کمال کا اظہار کیا جس کی بنا پر وہ سب سے الگ ہی۔ یاد رکھیے کہ یہ احد، واحد کا مرادف نہیں ہی۔ واحد تو اپنے حدود میں ہر چیز ہوسکتی ہی۔ ایک انسان اپنے اجزا سمیت ایک انسان ہے اور ایک شہر اپنے لاکھوں باشندوں کے باوجود ایک شہر ہے اور تمام دنیا اپنے لاتعداد موجودات کے باوجود ایک دنیا ہی مگر ان میں سے

سورۂ قل ہو اللہ کے شرعی امتیازات

یہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ قل ہو اللہ کو ثلث قرآن کا درجہ حاصل ہے مگر یہ باعتبار مضامین و مطالب اور باعتبار فضیلت ہے اس کا اثر احکام شرعیہ پر کچھ نہیں پڑتا مثلاً اگر کوئی شخص نذر کرے قرآن مجید پڑھنے کی یا اجیر ہو تو اُسے تین مرتبہ قل ہو اللہ پڑھ لینا ہرگز کافی نہ ہوگا پھر بھی قل ہو اللہ کو باعتبار احکام شرعیہ کچھ امتیازات حاصل ہیں۔ نماز میں اگر سورۂ حمد کے بعد قل ہو اللہ پڑھنا چاہتا ہو اور دھوکے سے کوئی دوسرا سورہ شروع کر دے تو اُس سورہ کو قطع کرکے قل ہو اللہ پڑھ سکتا ہے لیکن اگر کوئی اور سورہ پڑھنا منظور ہو اور اتفاق سے قل ہو اللہ شروع کر دے تو پھر اس کو قطع کرکے کوئی دوسرا سورہ نہیں پڑھ سکتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ ہر سورہ کی قائم مقامی کر سکتا ہے مگر کوئی دوسرا سورہ اس کی قائم مقامی نہیں کر سکتا مگر یاد رہے کہ یہ اُسی وقت ہے جب وہ اپنے محل میں ہو یعنی سورۂ حمد کے بعد لیکن اگر سورۂ حمد کے بجائے غلطی سے سورۂ قل ہو اللہ شروع کر دے تو اُس کو قطع کرکے سورۂ حمد پڑھنا لازم ہے کیونکہ وہ سورۂ حمد کی قائم مقامی ہرگز نہیں کر سکتا۔ سورۂ حمد اپنی خصوصیت میں متفرد ہے اور

اور اشارہ اس امر کی طرف ہے، کہ خدا کو کسی کا باپ سمجھنا اُسی طرح باطل ہے جس طرح اُسے کسی کا بیٹا سمجھنا۔ یہ دونوں محالات ہیں اور کوئی صاحب عقل تسلیم نہیں کر سکتا۔

(ولم یکن لہ کفواً احد)

"اور اُس کا مثل (مانند) کوئی نہیں"، یہ فقرہ توحید کے تمام پہلوؤں کا جامع ہے اس سے ایک طرف بُت پرستی کی نفی مقصود ہے کیونکہ وہ اصنام کو خدا کی طرح محل عبادت قرار دیتے ہیں دوسری طرف عیسائیت کی رد ہے کیونکہ بیٹا باپ کا ہم جنس ہوتا ہے اور باعتبار ذات اُس کے ساتھ مماثلت رکھتا ہے۔

جب خدا کا کوئی مثل نہیں تو اسکے معنی یہ ہیں کہ اُس کے لیے کوئی بیٹا نہیں۔ تیسری طرف ہر اُس مذہب کا ابطال جو خدا کے کسی کمال ذاتی میں دوسرے کو مثل قرار دے خواہ قدامت کے اعتبار سے مادہ وروح کو خدا کا مانند بنانا جو آریوں کا عقیدہ ہے یا افلاک وعقول کو قدیم سمجھنا جو حکمائے قدیم کا مزعومہ ہے یا علم وقدرت وغیرہ اوصاف کو اُس کی ذات کے علاوہ قدیم سمجھنا جیسا کہ بہت سی اسلامی جماعتیں ناوانی سے قائل ہو گئی ہیں۔ لم یکن لہ کفواً احد ان سب کے ابطال کے لیے کافی ہے۔

خدا کا حکم بندہ کو کہ کہہ وہ اللہ ایک ہی تو آپ اس حکم کی تعمیل میں یہ بھی کہتے تھے قل ھو اللہ
احد۔ سورہ ختم کرنیکے بعد تین مرتبہ فرماتے تھے کذلک ربنا یہ بندہ کی
طرف سے تصدیق ہی اس امر کی کہ جو کچھ سورۂ قل ھو اللہ احد میں خدا
کے اوصاف مذکور ہیں وہ حقیقت میں اسی طرح ہیں۔ اس بارے میں
احادیث متعدد ہیں یہ پہلی حدیث تھی دوسری حدیث امام رضاؑ کی ہی
عبدالعزیز بن مہتدی نے آپ سے توحید کے متعلق دریافت کیا حضرت نے
فرمایا جو شخص قل ھو اللہ احد کا سورہ پڑھ لے اور اس پر ایمان لائے
اُس نے توحید کو سمجھ لیا۔ اُس نے کہا اس کے پڑھنے کا طریقہ کیا ہونا
چاہیے حضرت نے فرمایا کوئی خاص طریقہ نہیں جیسے پڑھا جاتا ہی بیشک
بعد میں دو مرتبہ کذلک اللہ ربی کا آپ نے اضافہ کیا اس حدیث کو
کلینی نے اپنے اسناد سے اور صدوق نے کتاب التوحید میں اپنی سند
سے درج کیا ہے۔

تیسری حدیث امام جعفر صادقؑ کی ہی جس میں آپ نے اپنے والد بزرگوار امام
محمد باقرؑ کی سیرت بیان فرمائی ہی کہ جب آپ قل ھو اللہ کی تلاوت سے فارغ
ہوتے تھے تو فرماتے تھے کذلک اللہ ربی، کذلک اللہ ربی

چوتھی حدیث فضیل بن یسار کا بیان ہی کہ مجھے امام محمد باقرؑ نے حکم
دیا کہ میں قل ھو اللہ پڑھوں اور خاتمہ پر تین مرتبہ کہوں کذلک ربی

قل ہو اللہ کو بھی وہ خصوصیت حاصل نہیں ہے۔

یہ سورہ قل ہو اللہ کی اہمیت ہی ہے کہ اس کے ایک سانس میں پڑھنے کو ناپسند قرار دیا گیا ہے۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔

یکرہ ان تقرأ قل ھو اللہ احد نفس واحد

مکروہ ہے یہ امر کہ قل ہو اللہ کی ایک سانس میں تلاوت کرے مطلب ہے کہ اس سورہ کو خصوصیت کے ساتھ رک رک کر اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیے۔

مختلف سوروں کی قرأت میں

(استحبابی الفاظ کا ضمیمہ)

سوروں کی قرأت میں توجہ کو قائم رکھنے کے لیے اور انسان کے قلبی تاثرات کے اظہار کے لیے اکثر سوروں میں الفاظ قرآن کے بعد کچھ فقرات کہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ان کا ذکر احادیث ائمہ معصومین میں موجود ہے اور ائمہ کا عمل درآمد بھی اس پر قائم تھا۔ اس کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے

سورہ قل ہو اللہ	امام رضاؑ کا طریقہ تھا کہ جب آپ پہلی آیت قل ہو اللہ احد پڑھتے تھے اس کے معنی ہے

انجام کو بتلایا گیا ہی کہ وہ اسفل السافلین مین جائیگا لیکن اگر ایمان اور عمل صالح بجالائے تو رستگاری حاصل ہوگی۔ آخر میں پوچھا گیا ہے کہ کیا اللہ بہترین حاکم نہیں ہی۔ یہاں پر بندگان خدا کی جانب سے کہا جاتا ہی کہ ہم سب اس کے گواہ ہیں۔

سورۂ قل یا ایہا الکافرون امام رضاؑ سے روایت ہی کہ جب آپ قل یا ایہا الکافرون پڑھتے تھے تو آہستہ سے کہتے تھے یا ایہا الکافرون یہ اسی حکم خداوندی کی تعمیل ہی اور جب سورہ پورا ہوتا تھا تو تین مرتبہ کہتے تھے اللّٰہ ربّی ودینی الاسلام

سورۂ حمد جب سورۂ حمد کو پڑھ چکے تو پھر کہے :-
الحمد للّٰہ رب العالمین ۔

(سورۂ اعلیٰ) جب کہے سبح اسم ربک الاعلیٰ تو آہستہ سے کہے سبحان ربّی الاعلیٰ۔

اس کے علاوہ جب قرآن کی آیت پڑھے آللّٰہ خیر امّا یشرکون تو کہے اللّٰہ اللّٰہ خیر اللّٰہ اکبر اور جب پڑھے ثم الذین کفروا بربھم یعدلون تو کہے کذب العادلون باللّٰہ اور جب پڑھے الحمد للّٰہ الذی لم یتخذ ولدا ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ ولی من الذل وکبرہ تکبیرا تو کہے اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر اور

ان احادیث میں نماز اور غیر نماز کی کوئی تخصیص نہیں ہے اس لیے حالت نماز میں بھی اس فقرہ کا کہنا صحیح ہے۔ کم از کم ایک مرتبہ۔ اس سے بہتر ہے دو مرتبہ اور افضل تین مرتبہ ہے

دوسرے سوروں میں جو الفاظ کہنا چاہئیں وہ ذیل میں درج ہیں

سورۂ والشمس

امام جعفر صادقؑ کی حدیث ہے کہ جب سورۂ والشمس کو ختم کرے تو کہے صدق اللہ و رسولہ چونکہ اس سورہ کی انتہا حسب ذیل الفاظ پر ہے:۔

قال لھم رسول اللّٰہ ناقۃ اللّٰہ وسقیاھا فکذبوہ فعقروھا فدمدم علیھم ربھم بذنبھم فسوّاھا ولا یخاف عقباھا

بندہ صدق اللہ و رسولہ کہکر خدا کے وعید اور اس کے پیغمبر کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔

سورۂ رحمٰن

اس کے متعلق متعدد روایات میں وارد ہوا ہے کہ ہر مرتبہ فبایّ آلاءِ ربکما تکذبان کے بعد کہے کہ لا بشیئٍ من آلائک ربّ اکذب۔

سورہ والتین

خصال میں حدیث اربعمائۃ کے ذیل میں ہے کہ جب سورۂ والتین پڑھو تو کہو ونحن علیٰ ذالک من الشاھدین

چونکہ اس سورہ میں انسان کی خلقت کے تذکرہ کے بعد اس کے

اپنے سامنے رکھا تھا دعا اُس کا ایک کامیاب ذریعہ ہے کیونکہ اس طرح انسان اپنے خالص مادی مقاصد کے ذیل میں بھی خدا کو یاد کرنے پر مجبور رہتا ہے۔

لطف یہ ہے کہ خالص اپنی ذاتی غرض، بشرطیکہ معصیت و گناہ نہو چاہے وہ انسان کی بہیمانہ خواہشوں کے پورا کرنے ہی کی ہو اگر بطور سوال اُس کو اپنے مالک کی بارگاہ میں بندہ پیش کر دے تو یہ اُس کا پیش کرنا ایک بہترین عبادت اور روحانی اطاعت ہوگا۔

نماز میں یوں تو ہر مقام پر اس کی اجازت ہے مگر ایک مقام خاص طور پر اس کے لیے معین کیا گیا ہے اور وہ رکعت دوم میں دوسرا سورہ پڑھنے کے بعد رکوع کے پہلے کی جگہ ہے۔

یہاں پر جو دعا کی جاتی ہے اُسی کو اصطلاحی طور پر قنوت کہتے ہیں اسے بعض علمار تو واجب سمجھتے ہیں مگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سُنت ہے جس کی پابندی حتی الامکان ضرور کرنا چاہیئے بعض روایات میں اس کے لیے یہ فقرہ استعمال ہوا ہے کہ سنة واجبة "وہ ایک سنت ہے کہ جو واجب و ضروری ہے"

قنوت کے لیے شرعاً کوئی الفاظ نہیں معین کیے گئے ہیں مگر کم از کم کی حیثیت سے یہ قنوت حدیث میں وارد ہے۔

جب پڑھے ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی تو محمد و آل محمد پر درود بھیجے اور جب پڑھے امنا باللہ تو کہے امنا باللہ اور جب تبت ید ا ابی لہب پڑھے تو ابو لہب کے لیے بددعا کرے اور جب سورہ قیامت پڑھے تو آخر میں کہے سبحانک اللّٰھم و بلے اور جب پڑھے یا ایھا الذین امنو تو چپکے سے کہے لبیک اللّٰھم لبیک اور جب پڑھے الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی تو کہے سبحانک اللّٰھم و بلے۔

یہ سب اسی غرض سے ہی کہ انسان آیات قرآنی پر متوجہ رہے اور اس کا اثر اپنے دل پر لیتا رہے۔

(قنوت)

قنوت کے معنی ہیں دعا کے اور دعا کے لیے نماز میں عام اجازت دی گئی ہے ہر محل پر دعا کی جا سکتی ہی کیونکہ بارگاہ الٰہی میں دعا خود ایک عبادت ہی بلکہ حدیث میں وارد ہوا ہے الدعاء مخ العبادۃ " دعا مغز عبادت ہی" غور کیجیے تو عبادت بے نیاز بارگاہ میں اپنی نیازمندی کا ایک مظاہرہ ہی ہی۔ اور دعا اس نیازمندی اور احتیاج کا ایک عملی ثبوت ہی۔

اسلام نے جو مادیت میں روحانیت کے سمونے کا ایک عظیم نصب العین

اور آخرت کی کامیابی کی باعث بھی ہوسکتی ہیں۔ یہ بالکل سطحی نگاہ ہوگی اگر انسان یہ خیال کرے کہ اس دنیا میں انسان تکالیف میں بسر کرے تو اچھا ہی۔ یا یہ کہ کمسنی میں موت آجائے اور دنیا سے چلا جائے تو بہتر ہی اگر یہ بہتر ہی ہوتا تو خودکشی اور مضر صحت اشیا کا ارتکاب شرع کی جانب جرم نہ ہوتا۔ ان باتوں کے متعلق پابندیاں عائد کرنے ہی سے ظاہر ہی کہ ہماری زندگی، ہماری بقا، اور ہماری سلامتی اُسے منظور رہے اسی لیے زندگی اور صحت پر خدا کا شکر ادا کرنے کا محل ہی۔

بے شک سطحی نگاہ سے دیکھنے پر عارفان الٰہی کی یہی شان معلوم ہوتی ہی کہ وہ دنیاوی راحت و آرام اور خیر و سلامتی کو کچھ نہ سمجھیں مگر خدا کی نعمت کے قدرشناس ان چیزوں کو بھی اپنے محل پر اہم سمجھتے ہیں

ایک مرتبہ شاہزادۂ کونین حضرت امام حسنؑ سے تذکرہ ہوا کہ ابوذر غفاری کہتے ہیں کہ میں بیماری کو صحت سے تکلیف کو راحت سے، اور تنگ دستی کو دولت و ثروت سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں

امام نے فرمایا کہ جو شخص خدا کے انتخاب پر بھروسا کرے اُسے یہ آرزو نہ کرنا چاہیے کہ جس حال میں خدا نے رکھا ہی اُس کے سوا کسی حالت کی طرف وہ منتقل ہو۔

مطلب یہ ہی کہ ہمیں یہ کہنے کا کیا حق کہ بیماری اچھی یا صحت تکلیف

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَعَافِنَا وَاعْفُ عَنَّا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

یہ قنوت مظہر ہے اُس اسلامی مقصد کا جسے اُس نے بطور مثالیہ اپنے متبعین کے لیے پیش کیا ہے کہ وہ نہ دین کو فراموش کریں اور نہ دنیا کو بلکہ دونوں کی کامیابی کے لیے طلبگار رہیں - یہ دعا اسی خصوصیت کی حامل ہے پہلے تو انسان اپنی گزشتہ زمانہ کی عملی کمزوریوں کو یاد کر کے اُن کی معافی کی درخواست کرتا ہے "بار الہا، ہم کو معاف کر دے اور ہم پر رحم کر" اس کے بعد اپنے مستقبل کی بہتری کا طالب ہوتا ہے - کہتا ہے "وعافنا واعف عنا اور ہم کو سلامتی عطا فرما اور ہم کو معاف کر دے فی الدنیا والاخرۃ یہ لف ونشر مرتب کے طور پر پہلے دونوں فقروں سے متعلق ہے - دو چیزیں وعافنا واعف عنا "ہم کو سلامتی عطا فرما اور ہم کو معاف کر دے" انہی کے متعلق ترتیب کے ساتھ دونوں عالم ذکر کیے گئے ہیں فی الدنیا والاخرۃ "دنیا اور آخرت میں - دنیا میں سلامتی اور آخرت میں معافی - یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ دنیا کی سلامتی سے زاہدان پارسا کو تعلق ؟

یہ ہرگز درست نہیں ہے کیونکہ وجود حیات صحت وسلامتی سب خدا کی نعمتیں ہیں جو اگر صحیح مصرف میں صرف ہوں تو یہی رضائے الٰہی

آجاتا ہے۔ کہتا ہے سمع اللہ لمن حمدہ
سُنتا ہے خدا اُس شخص کی آواز جو اُس کی ثناؤ صفت کرے"۔ یہ اُس تصور کی تجدید ہے جسے موقف نماز میں آنے کے وقت امام نے پیدا کرنا چاہا تھا ان الفاظ میں کہ تم یقین جانو کہ خدا کے سامنے ہو تم اُسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔

دیکھنے کا تعلق افعال سے ہوتا ہے، یہاں اسی احساس کو پیدا کیا گیا ہے اذکار کے متعلق کہ جو کچھ تم کہتے ہو۔ اُس کو خدا سُن رہا ہے۔

یہ کہتے کہتے اتنی ہی عظمت و رفعت کا اتنا اثر پڑتا ہے کہ بندہ مونھ کے بھل زمین پر سجدہ کے لیے گر پڑتا ہے۔

یاد رکھیے کہ رکوع کے بعد ہی بلا فاصلہ اگر سجدہ کا حکم ہوتا تو شان تعظیمی اُتنی نمایاں نہ ہوتی جتنی اس قیام کی حالت سے سجدہ میں جانے کی صورت میں ہوتی ہے۔

بندہ جتنا جھکتا ہے اُتنا وہ خدا کی زیادہ بلندی کا اظہار کرتا ہے۔ رکوع کا درجہ نیم قد تک جھکنے کا تھا اور سجدہ اس کی آخری حد ہے۔ اس لیے ثناؤ صفت کے اوصاف میں فرق ہے۔ وہاں تھا۔ سبحان ربّی العظیم۔ یعنی اُس کو "عظیم" کہا گیا ہے جس سے عظمت کا اظہار ہوتا ہے اور یہاں ہے سبحان ربّی الاعلیٰ وبحمدہ یعنی

اچھی یا راحت ۔ تنگدستی اچھی یا دولت ۔ بس جس حال میں خدا رکھے
وہی سب میں اچھا ہی ۔
اس لحاظ سی خداوند عالم سے دنیا کے لیے بھی دعا مانگنا چاہیئے
اور آخرت کے لیے بھی ۔
اور قنوت کی دعا جو آپ نماز میں پڑھتے ہیں وہ ان دونوں مطلبوں
پر شامل ہی انك علی كل شئی قدیر " یقیناً تو ہر بات پر قادر ہی"
چاہے دنیا کے مطلب ہوں اور چاہے آخرت کے سب تیرے ہی
قبضہ میں ہیں ۔

(رکوع و سجود)

سورے پڑھنے کے بعد اور دوسری رکعت میں قنوت کے بعد
انسان عظمت الٰہی کے احساس کا زیادہ مظاہرہ کرتے ہوئے جھک جاتا ہے
کہتا ہی ۔ سبحان ربی العظیم وبحمدہ
" ہر عیب و نقص سے بری ہی میرے پروردگار کی ذات جو بڑی
عظمت والا ہی اور حمد کا مستحق ہی "
رکوع کے بعد سر اٹھتا ہی ۔ خیال ہوتا ہی کہ یہ میرے حمد و ثنا اور
تسبیح کا کوئی سننے والا بھی ہی ۔ فوراً خدا کے سمیع ہونے کا اعتقاد سامنے

بالکل بیکار ہو جائے گی۔ نماز کے پہلے ان اعتقادات کا تصور و احساس
اور اعلان و اظہار اذان و اقامت میں ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد نماز
کے خاتمہ پر اور اگر چہار رکعتی نماز ہے تو وسط میں بھی پھر ان اعتقادات کی
تجدید ہو جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع سے آخر تک عمل عقل
کے ماتحت ہے۔ وہ کہتا ہے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ
اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود برحق سوائے اللہ کے
وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت
محمد مصطفےٰ ؐ اس کے بندۂ خاص اور اس کے رسول ہیں"

یہ بات خاص توجہ کے قابل ہے کہ خدا کی عبودیت کا وہ بلند درجہ
ہے جو رسالت سے مقدم ہے اس لیے اس کی گواہی رسالت سے پہلے ہوتی ہے
دونوں گواہیوں کے بعد خدا کی بارگاہ میں رسول ؐ کے لئے رحمت خاص
کی دعا کی جاتی ہے "خداوندا اپنی رحمت نازل فرما محمد ؐ و آل محمد ؐ پر"
اس سے اپنے پیشوایان دین کے ساتھ اپنی مخلصانہ عقیدت کا اظہار ہوتا ہے

اُس کو "اعلیٰ" کہا جا رہا ہے جس میں بلندی کی صفت کو زیادتی کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے الاعلیٰ "یعنی بلند ترین اور سب سے برتر"

سجدہ سے سر اٹھایا تو خدا کی عظمت کے سامنے اپنے فرائض کی کوتاہی کا احساس ہوا یوں اعتراف جرائم کرتے ہوے معافی کا خواستگار ہوا

اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰهَ رَبِّیۡ وَاَتُوۡبُ اِلَیۡهِ ۔

"معافی چاہتا ہوں اللہ سے جو میرا پروردگار ہے اور اُس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں"

ان گناہوں کی معافی کی درخواست کرنے کے ساتھ پھر ایک دفعہ اُس کے آستانۂ عظمت پر پیشانی رکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی دوسرا سجدہ کیا اور پھر پہلے کی طرح اُس کی بلندی و برتری کا اعتراف کیا۔

(تشہد)

دوسری رکعت کے دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھ کر تشہد پڑھنا چاہیے۔ چونکہ نماز ایک فروعی عبادت ہے جس کی قبولیت و صحت اصول کی صحت پر موقوف ہے عمل کو اعتقاد کی بنا پر ہونا چاہیے اور اعتقاد کو شروع سے آخر تک قائم رہنا چاہیے۔ اگر نعوذ باللہ اثنائے نماز میں کسی کے ذہن میں خدا کی توحید یا رسولؐ کی رسالت کے خلاف اعتقاد قائم ہو جائے تو وہ نماز

اجزاء و ارکان عبادت میں تنوّع

جو بات برابر ایک ہی طرح پر ہوتی رہے اور ایک حالت پر قائم رہے اُس کا تعلق دماغ سے قطع ہو جایا کرتا ہے اور تنوع نہ ہونے کی وجہ سے ذہن کو توجہ رکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اگر عمل میں اختلاف و تنوع پایا جاتا ہو اور ہر جگہ کے لحاظ سے کوئی خاص خصوصیت رکھدی گئی ہو تو انسان کے تصور کی تجدید ہوتی رہتی ہے اور توجہ قائم رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس بنا پر نماز کے اقسام اور اُن کے اجزاء میں تنوع قرار دیا گیا ہے یہ باب بہت وسیع ہے اس کے تحت میں نماز کے انواع بھی داخل ہوتے ہیں مثلاً نماز آیات کی ایک خاص ترکیب۔ نماز عید کی خاص کیفیت۔ نماز جمعہ کا خاص انداز۔ اور نماز یومیہ کی خاص صورت۔ اگر سب نمازیں ایک ہی طرح ہوتیں تو ضرورت نہ تھی کہ نماز پڑھتے وقت یہ تصور بھی پیدا ہو کہ یہ کون سی نماز ہے لیکن چونکہ صورت الگ الگ ہے لہذا لازمی ہو گیا کہ نماز کے وقت انسان کو توجہ پیدا ہو کہ وہ ان میں سے کون سی نماز پڑھ رہا ہے۔ پھر نماز پنجگانہ میں صبح کی نماز دو رکعت، ظہر و عصر کی چار رکعت اور مغرب کی تین رکعت اور پھر عشاء کی چار رکعت۔ اگر سب ایک ہی طرح ہوتیں تو ممکن تھا وقت عمل یہ خاص احساس نہ پیدا ہو کہ یہ صبح ہے۔ ظہر ہے یا عصر، مغرب ہے

۲ دوسری دو رکعتیں

اگر صبح کی نماز ہے تو وہ دو ہی رکعت پر ختم ہو جائے گی لیکن اگر مغرب کی نماز ہے تو ایک رکعت اور اگر ظہر، عصر، یا عشاء کی نماز ہے تو دو رکعتیں اس کے بعد اور پڑھی جائیں گی۔ ان رکعتوں میں اختیار ہے کہ یا سورہ حمد پڑھے یا تسبیحات اربعہ یعنی سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر

آپ ان تسبیحات اربعہ کی عظمت کا بس اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان دونوں رکعتوں میں وہ سورہ حمد کے مدمقابل یا قائم مقام قرار پائی ہیں۔

ان کا نام تو تسبیحات ہے مگر حقیقتاً ان میں فقط تسبیح نہیں ہے ان میں تسبیح ہے اور تحمید اور توحید ہے اور پھر تکبیر۔

اور چونکہ انسان کو اللہ کی عظمت اور اس کی حقیقی اوصاف کی معرفت ناممکن ہے مگر اس طرح کہ نقائص اور صفات حدوث کو اس سے دور کرے اس لیے تسبیح کو مقدم رکھا گیا ہے اور دوسری چیزوں کو مؤخر۔

احادیث میں اختلاف کی وجہ سے اس امر میں اختلاف ہو گیا ہے کہ یہ تسبیحات ایک دفعہ پڑھی جائیں یا تین مرتبہ۔ لیکن تین مرتبہ پڑھنے کی صحت میں کوئی شبہ نہیں اور عملدرآمد اسی پر ہے۔

ساتھ پھر بھی العظیم اور الاعلیٰ کا اختلاف رکھ دیا گیا ہے۔ پہلے سجدہ سے سر اُٹھا کر بیٹھنے میں استغفر اللہ ربی واتوب الیہ اور دوسرے سجدہ سے سر اُٹھانے کے بعد اگر پہلی رکعت ہو تو کھڑے ہوتے ہوئے بحول اللہ وقوّتہٖ اقوم واقعد۔

"اللہ ہی کی قوت اور طاقت سے کھڑا ہوتا ہوں اور بیٹھتا ہوں"

اور اگر دوسری رکعت ہو تو بیٹھ کر تشہد پڑھے چو رکعتی نماز میں تیسری اور چوتھی میں یہی تفریق۔

غرض یہ کہ کسی حد تک مماثلت اور کسی حد تک اختلاف ہر جگہ قائم رکھا گیا ہے جس کی وجہ سے اگر ذہن تھوڑی دیر تک غیر حاضر بھی رہے تو پھر اُسے واپس آنا پڑتا ہے اور انسان کو تصوّر کی تجدید لازمی ہوتی ہے

(خاتمۂ نماز یعنی سلام)

آخری رکعت میں تشہد کے بعد سلام پھیرنے کا حکم ہے

تشہد کے بعد دُرود پڑھنے کا حکم ہے اور دُرود کے الفاظ آپ کو معلوم ہیں اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمّد وآل محمّد اس سے حکم قرآنی کا اتباع ہوتا ہے کہ ان اللہ وملائکتہ یصلّون علی النبیّ یا ایّھا الّذین اٰمنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیما مگر اس میں صلوات کے

یا عشا ر لیکن اب تو اس خصوصیت کا لحاظ پیدا ہونا ضروری ہو گیا۔ پھر ان نمازوں میں یہ تفریق کہ بعض جہر سے پڑھی جائیں یعنی آواز کے ساتھ اور بعض آہستہ۔ اس سے اُس خصوصیت کی طرف توجہ ناگزیر ہوگئی ظہر اور عصر میں ترتیب اور پھر مغرب اور عشا ر میں ترتیب کا لازمی قرار دینا بھی تصور اور لحاظ کے قائم کرنے کا بڑا ذمہ دار ہے۔ پھر۔ ان رکعات میں تفریق۔ پہلی اور دوسری رکعت میں سورۂ حمد کے بعد کوئی دوسرا سورہ پڑھا جائے لیکن بعد کی دو رکعتوں میں دوسرا سورہ نہ پڑھے صرف سورۂ حمد پڑھے پھر سورۂ حمد کے ساتھ تسبیحات اربعہ کے پڑھنے کا اختیار دینا۔ اس سے تو لازمی انسان کے ذہن کو متوجہ ہونا پڑے گا کہ مجھے یہاں کیا پڑھنا چاہیے اس مقصد کے حصول کے لیے میں تو بہت پسند کرتا ہوں کہ انسان ان میں سے کسی ایک کا عادی نہ ہو بلکہ جیسا کہ شرع نے اختیار دیا ہے وہ بھی کبھی سورۂ حمد پڑھا کرے اور کبھی تسبیحات اربعہ کیونکہ اس صورت میں توجہ ضرور پیدا کرنا پڑے گی لیکن اگر وہ سورۂ حمد ہی کا عادی ہو تب بھی میرے خیال میں توجہ پیدا کرنا اس لیے ضروری ہوگا کہ کہیں وہ اس کے بعد دوسرا سورہ نہ پڑھنے لگے۔

پھر قیام، رکوع، سجود اور قعود کی حالتوں کا اختلاف یہاں تک کہ رکوع اور سجود ہر ایک میں جو تسبیح ہے اُس میں الفاظ کے اتحاد کے

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ السّلام علیکم دعائیہ جملہ نہیں ہے بلکہ خبری جملہ ہے جو بارگاہ الٰہی کی جانب سے شرکائے جماعت کے لیے ایک مژدہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

فضل بن شاذان کی روایت جو امام رضاؑ سے ہے اُس میں ہے کہ حضرت نے فرمایا انما جعل التسلیم تحلیل الصلوٰۃ ولم یجعل بدلها تکبیرا او تسبیحا او ضرب باٰخر لانہ لما کان الدخول فی الصلوٰۃ تحریم الکلام للمخلوقین والتوجہ الی الخالق کان تحلیلها کلام المخلوقین والانتقال عنها وابتداء المخلوقین فی الکلام اولا بالتسلیم۔

"سلام کو نماز کے اختتام کا ذریعہ قرار دیا گیا اور اس کے بجائے تکبیر یا تسبیح یا کوئی اور قسم کی چیز اس لیے نہیں قرار دی گئی کہ نماز کے شروع ہونے پر کلام مخلوق خدا سے ناجائز ہو جاتا ہے اور خالق کی جانب توجہ ہو جاتی ہے۔

لہذا نماز کا اختتام مخلوق کے ساتھ کلام کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور مخلوق کے ساتھ گفتگو کی ابتدا سلام سے کی جاتی ہے"

کلام امام کی اس روشنی میں میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جس طرح آپ کہیں سے آتے ہیں اور کسی جماعت پر وارد ہوتے ہیں تو سلام کرتے ہیں

ساتھ سلام کا بھی حکم ہے۔ اس لیے نماز کے خاتمہ کے بعد جب درود پڑھ لیا جائے تو کہا جاتا ہے السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ پر اللہ کی سلامتی ہو اے خدا کے رسول اور اس کی رحمت ہو اور خاص برکتیں،

اب حکم آیت کی مکمل پیروی ہو گئی۔ رسول پر سلام کرنے کے بعد گویا ان کے واسطہ سے اپنے برادران دینی کے لیے سلامتی کی دعا کرتا ہے۔ کہتا ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ "سلام ہو ہم سب پر اور تمام خدا کے نیک بندوں پر" اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ "سلام ہو تم پر اور اللہ کی رحمت اور اسکی برکتیں"

ایک روایت میں ہے کہ کسی نے امیر المومنینؑ سے پوچھا:- ما معنی قول الامام السلام علیکم۔

"کیا معنی امام جماعت کے اس کے کہنے کے السلام علیکم" حضرت نے فرمایا ان الامام یترجم عن اللہ عز وجل ویقول فی ترجمتہ لاھل الجماعۃ امان لکم من عذاب اللہ یوم القیامۃ (یعنی) امام خداوند عالم کی طرف سے ترجمانی کرتا ہے اور گویا نماز جماعت کے حاضرین کو مژدہ دیتا ہے کہ تمھیں سلامتی اور امان ہے عذاب خدا سے روز قیامت۔

ایاک نعبد و ایاک نستعین ۔ یہ تھی سیر ارتقائی جہاں وہ غیبت سے حضور تک پہونچا۔ اب بارگاہ بے نیاز میں باریابی اور عرض و معروض کے بعد وہ پچھلے پیروں واپس آتا ہے تو وہی تدریجی رفتار اس واپسی میں بھی ہے۔ بڑی بدتمیزی تھی اگر وہ خدا سے کلام کرتے کرتے ایک ہی دفعہ منھ پھیر لیتا اور آدمیوں سے گفتگو شروع کر دیتا اس لیے وہ چپکے چپکے قدم پیچھے ہٹا رہا ہے۔ اُس نے چلتے چلاتے اپنے عقائد کی تجدید کی اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ۔ اس گواہی دینے کے ساتھ اُس کو رسول کے خدمات یاد آئے اور ہدایت خلق میں آپ کی جانفشانی کا خیال آیا۔ اعتراف خدمات اور سپاس گزاری کے طور پر اُس نے بارگاہ الٰہی میں آپ کے لیے درود کی عرضداشت پیش کی۔ اللھم صل علی محمدؐ وآل محمدؐ اب وہ الوہیت محض کے تصور سے ذرا نیچے اُتر کر رسالت کی سطح پر نگراں ہو چکا تھا گویا دربار سے رخصتی کے سلسلہ میں عرش احدیت سے پلٹ کر کرسی نبوت کے پاس آگیا تھا تو اُس نے رسولؐ کی طرف رُخ کرکے مخلصانہ سلام آپ کی بارگاہ میں پیش کیا السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اسی طرح سو کر اُٹھتے ہیں تو سلام کرتے ہیں اس بنا پر کہ خواب بھی دنیا کی موجودہ اجتماعی حالت سے جدائی کا عالم ہے۔ اسی طرح نماز شروع کرکے گویا تمام آس پاس کے لوگوں سے آپ جدا ہو جاتے ہیں آپ ایک دوسری دنیا میں پہونچ جاتے ہیں جسے بارگاہ قدس سمجھا جا سکتا ہے اب جس وقت کہ آپ اُس عالم بزرگ سے پھر اپنی دنیا میں واپس آتے ہیں یعنی نماز ختم کرتے ہیں تو نئے سرے سے آپ سے اور پاس بیٹھنے والوں سے ملاقات کی نوبت آتی ہے اس لیے سب سے پہلے آپ سلام کرتے ہیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اب اسی روشنی میں تھوڑا سا آگے سے آپ نگاہ ڈال لیجیے دیکھیے تو نماز میں ایک عالم صعود نظر آتا ہے اور ایک عالم رجوع اور ان دونوں میں ایک تدریج و ترتیب کی شان ہے۔ جس وقت بندہ نے نماز کا افتتاح کیا اور حمد و ثنا کی منزلوں کو طے کرنا شروع کیا اُس وقت ایک غیبت کا انداز تھا گویا وہ ابھی بارگاہ صمدی سے الگ اور جمال قدرت سے اوجھل ہے۔ وہ کہہ رہا تھا الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین۔ لیکن جوں جوں ثنا و ستائش کی منزلوں کو طے کرتا گیا حجاب ہٹتے گئے یہاں تک کہ وہ اب جلال احدیت کو اپنی نگاہوں کے سامنے پاکر نیازمندانہ تخاطب کرنے لگا۔

سکھانے والی ہے۔ کاش مسلمان اس عبادت زیبا کو حقیقت شناسی
کے ساتھ بجا لائیں اور اس کو صرف ایک رسمی بات سمجھ کر غفلت
اور رواداری کے کہرے میں نہ چھپا دیں۔

ماہ رمضان ۱۳۵۹ھ

(تمام شد)



معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ایوان قصر جلال میں رسولؐ کے اعزاز کی کرسی ہے جنھیں مؤدبانہ تسلیم بجالاتا ہوا باہر آرہا ہے یہاں سے ہٹا اور ڈیوڑھی کے پاس آیا تو خدام وحواشی اور ہواخواہان دولت اور اپنے ہم چشموں کا جھرمٹ نظر آیا کہنے لگا السّلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

عام طور پر کہے جاتے ہیں یہ دونوں سلام مگر واجب ان میں ایک ہی ہے اور میں ان کی ساخت کی بنا پر یہ سمجھتا ہوں اور بعض احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ پہلا سلام السّلام علینا وعلےٰ عبادا للہ الصّالحین۔ تمام افراد مسلمین کے لحاظ سے ہے جو عالم تصوّر میں اس وقت اس کے سامنے ہوتے ہیں خواہ نماز جماعت ہو یا فرادیٰ۔ اس لیے سلام کی نوعیت غائبانہ حیثیت رکھتی ہے اور دوسرا سلام السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ نماز جماعت کے لیے ہے امام کی زبان سے اُن ماموین کے واسطے ہے جو اُس کے پس پشت ہیں اس لیے اس میں خطاب کا عنوان ہے یہ ہے اسلام کی نماز جو عبودیت الٰہی کے مظاہرات کے ساتھ اپنے بنی نوع کے ساتھ بھی اخلاق اور حُسن معاشرت کی

نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	خرچ ڈاک
۴۳	خلافت و امامت حصہ اول	۰۵ر	۱ر
۴۴	" " دوم	۰۴ر	۱ر
۴۵	" " سوم	۴ر	۱ر
۴۶	تحقیق اذان	۱ر	[illegible]
۴۷	ذوالجناح	۰ر	[illegible]
۴۸	شہدائے کربلا حصہ اول	[illegible]	۱ر
۴۹	کربلا کا مہاسمر ہندی	۲ر	[illegible]
۵۰	حسینؑ اینڈ دی ملین آف کربلا انگریزی	۱۰ر	[illegible]
۵۱	مشہد اعظم	۱ر	[illegible]
۵۲	لاتفسدوفی الارض	۸ر	[illegible]
۵۳	نہج البلاغہ کا استناد	۴ر	۱ر
۵۴	خلافت و امامت حصہ چہارم	۳ر	۱ر
۵۵	شہدائے کربلا حصہ دوم	۵ر	۱ر
۵۶	الوالائمہ کے تعلیمات	۴ر	۱ر
۵۷	حسینؑ کا پیغام عالم انسانیت کے نام	۱ر	[illegible]
۵۸	اسلامی عقائد	۲ر	[illegible]
۵۹	آثار باقیہ	۱ر	[illegible]
۶۰	صحیفہ سجادیہ کی عظمت	۱۰ر	[illegible]
۶۱	خلافت و امامت حصہ پنجم	۶ر	۱ر
۶۲	خدا کی معرفت	۸ر	[illegible]
۶۳	شہدائے کربلا حصہ سوم	[illegible]	۱ر
۶۴	خلافت و امامت حصہ ششم	۸	[illegible]
۶۵	دی لاسٹ مسیج آف حسینؑ	۲ر	[illegible]
۶۶	ہمارے رسوم وقیود	۲ر	[illegible]
۶۷	شیعوں کی تازہ زندگی	۱ر	[illegible]
۶۸	صحیفۂ اعمال مترجم	عہ/ر	[illegible]
۶۹	مذہب شیعہ اور تبلیغ	۱ر	[illegible]
۷۰	اسیری اہل حرم	۱۰ر	[illegible]
۷۱	دی مشن آف حسینؑ انگریزی	۱ر	[illegible]
۷۲	نظام زندگی حصہ اول	۴ر	[illegible]
۷۳	" حصہ دوم	۵ر	۱ر
۷۴	حقیقت اسلام	۱۰ر	[illegible]
۷۵	مظلوم کربلا	۲ر	[illegible]
۷۶	دی مارٹرس آف کربلا انگریزی	[illegible]	[illegible]
	تناسخ پر مختصر بحث	۲ر	[illegible]
	نظام زندگی حصہ سوم	۷	[illegible]

حضرات!

لکھنؤ میں ملنے والی ہر علمی، ادبی، اخلاقی، دینی کتاب مشن کے ذریعہ سے طلب فرمائیں

فہرست امامیہ مشن (رجسٹرڈ) بک ایجنسی لکھنؤ

نمبر شمار	نام کتاب	قیمت	محصول	نمبر شمار	نام کتاب	قیمت	خرچ ڈاک
۱	کائنات قبل از اسلام	۲ر	۳ر	۱۵	قاتلان عثمان	۵ر	۱ر
۲	قاتلان حسینؑ کی گرفتاری	۸ر	۲ر	۱۶	میکدۂ اسلام	۳ر	۳ر
۳	تحج و بینات	عہ	۲ر	۱۷	عصول اسلام کی حقیقت	۴ر	ار
۴	ذخیرۃ الاحکام	۴ر	ار	۱۸	تقیہ	۲ر	۳ر
۵	صحیفۂ تجلی	۸ر	ار	۱۹	میزان محبت	۳ر	۱ر
۶	گل عصمت	۱ر	۳ر	۲۰	تبرے کی حقیقت	۳ر	ار
۷	رجال بخاری حصہ دوم	۶ر	ار	۲۱	حسینؑ اور مذہب	ار	۳
۸	رسولؐ کی بیٹی	۲ر	۳ر	۲۲	فتح مبین	۳ر	۳ر
۹	تاریخ ازدواج	۸ر	ار	۲۳	الشیعہ	۳ر	ار
۱۰	الہامی کلمات	۳ر	ار	۲۴	ثبوت تقیہ	۱ر	۳ر
۱۱	شہید اسلام	عـ۸ر	۵ر	۲۵	ذاکری کی پہلی کتاب	۳ر	ار
۱۲	ثانی زہرا	عہ	۲ر	۲۶	〃 حصہ دوم	۳ر	ار
۱۳	ہمارے رسولؐ	۲ر	ار	۲۷	شادی خانہ آبادی	۲ر	۳ر
۱۴	ہماری خاتون جنت	۲ر	ار	۲۸	گاؤکشی اور مسلمان	۴ر	۳ر

(ملنے کا پتہ)

سکریٹری امامیہ مشن رجسٹرڈ نخاس لکھنؤ

(پبلشر)

سید مصطفیٰ احسن رضوی سکریٹری امامیہ مشن رجسٹرڈ لکھنؤ

(پرنٹر:۔ نثار علی رضوی)